مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی

(جامی)

انوار العلوم

اردو نثر

مثنوی مولانا روم علیہ رحمۃ اللہ

مصنف

سلطان العارفین بحر رموز حقائق خزینہ علم وحکمت دانائے عشق ومعرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

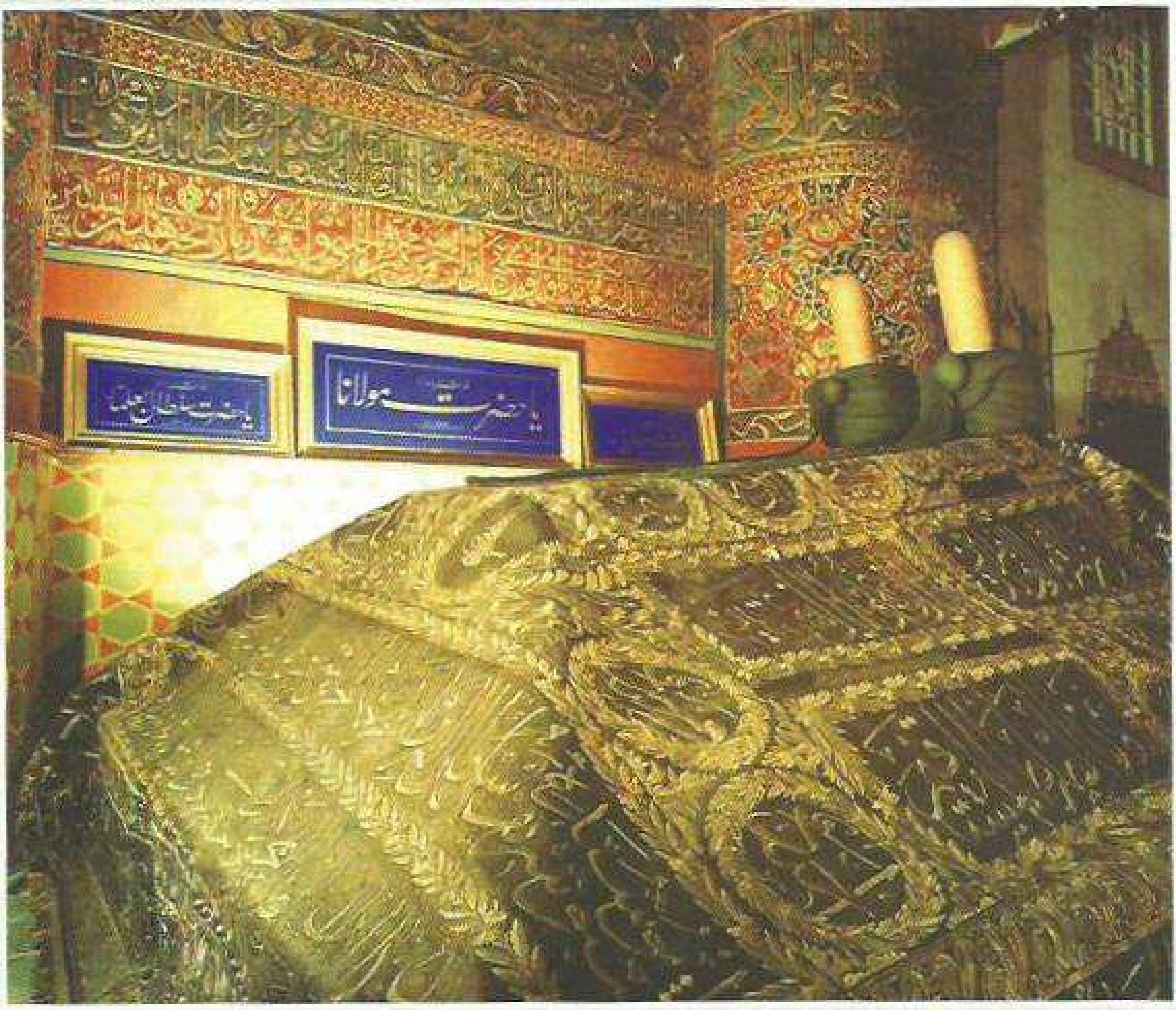
المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

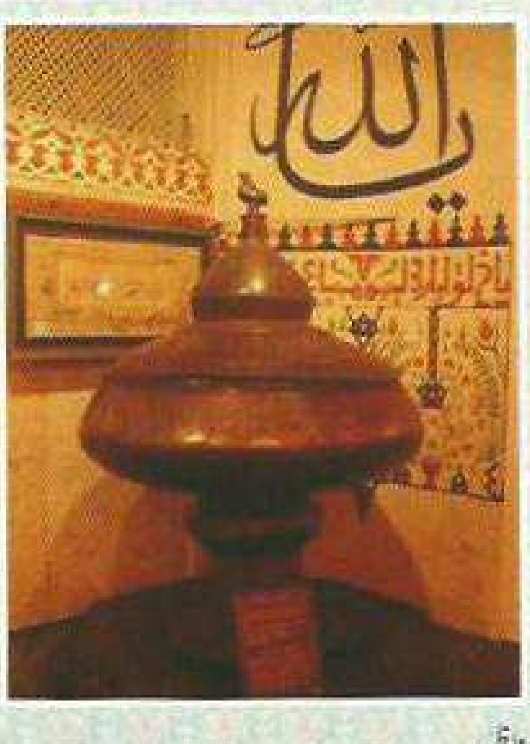
مترجم:

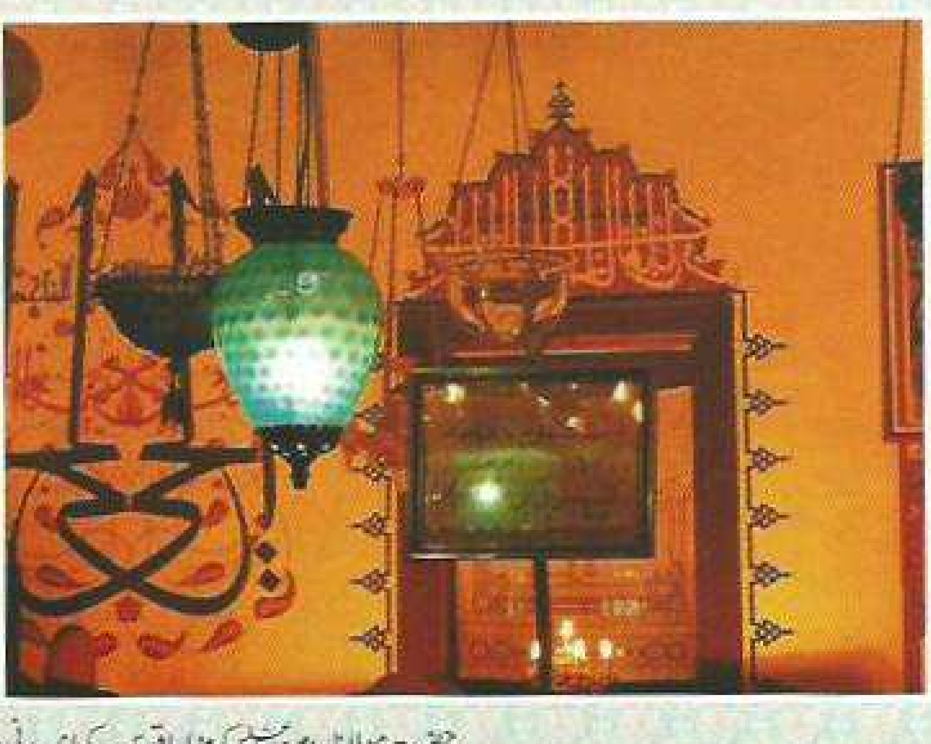
محمد عالم امیری

دفتر پنجم

604-A







حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کے اندرونی مناظر

فہرست دفترِ پنجم

بر زباں تسبیح و دِل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

زبان پر اللہ اللہ اور دل میں بیل یا گدھا تو — تو ایسی تسبیح کا کیا اثر ہوگا

ہیں مباش اے خواجہ یکدم بے طلب
اے خواجہ! کسی وقت بھی جستجو سے نہ ہٹ

تا بیابی ہرچہ خواہی بے تعب
تاکہ جو تو چاہتا ہے بغیر مشقت حاصل کرلے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
32	فرمان نبوی ﷺ: ''تین شخص قابلِ رحم ہوتے ہیں''	۶۳۹
33	ہرن کے بچے کا گدھوں کے اصطبل میں قیدی ہونا	۶۴۰
34	سلطان خوارزم شاہ کا سبزوار شہر والوں کو ابوبکر نامی شخص مہیا کرنے کا حکم دینا	۶۴۱
35	گدھوں کے اصطبل میں ہرن کا بقیہ قصہ	۶۴۲
36	وہ سات دبلی گائیں جو موٹی گائیوں کو کھا گئیں اُن کو شیر ہی سمجھ سورۃ یوسف علیہ السلام میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتائی، اِس کا بیان	۶۴۳
37	انسان کی اچھی اور کمتر ساخت کی طرف لوٹانے 'عمر کی درازی اور پھر اوندھا کردیتے ہیں کی تفسیر	۶۴۴
38	آیت ''مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اُن کے لیے ختم نہ ہونے والا اجر ہے'' کی تفسیر	۶۴۴
39	آنحضور ﷺ کی حدیث 'ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تُو مردہ اُس کے ساتھ دفن ہوگا۔ اگر وہ شریف ہے تو تیری عزت کرے گا اور اگر کمینہ ہے تو تُجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے۔ پس جس قدر جلد ممکن ہو تُو اپنی اصلاح کرلے''	۶۴۷
40	حدیث ''جس نے مختلف غموں کو ایک غم بنالیا اللہ اُس کے سارے غموں کے لئے کافی ہوگیا اور جس کے مختلف غم ہیں تو اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ وہ کون سی وادی میں تباہ ہوا''	۶۴۸
41	اس رباعی کے معنیٰ	۶۴۹
42	نبوت کا دعویٰ کرنے والے آدمی کا قصہ	۶۵۰
43	عوام کی عداوت اور اُن کا اولیاء رحمہم اللہ سے بیگانہ ہونا اس لئے ہے کہ وہ اُن کو اللہ کی طرف اور ہمیشگی کے آبِ حیات کی طرف بلاتے ہیں	۶۵۱
44	بادشاہ کا مُدعیٔ نبوت سے سوال کہ زبانی نصیحت کے علاوہ سچے رسول کے پاس کیا ہوتا ہے کہ اُس کی صحبت اور خدمت سے ملتا ہے؟	۶۵۳

عاقبت جوینده یابنده بود — جستجو کرنے والا آخرکار پالینے والا ہوتا ہے
چونکہ در خدمت شتابنده بود — کیونکہ مطلوب حاصل کرنے کیلئے دوڑتا ہے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

آفتاب و ماہ و ایں استارگاں
سُورج، چاند اور یہ ستارے

جز بحاجت کے پدید آمد عیاں
ضرورت کے بغیر کب نمودار ہوتے ہیں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
58	اُس کا جواب جس نے کہا یہ جہان اچھا ہے۔ کاش اِسے زوال نہ ہوتا	۲۶۵
59	اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان	۲۶۶
60	ایازؒ اُس کی پوستین اور چپلوں کا قصہ	۲۶۷
61	قِصہ کا ظاہر، ظاہر پرستوں کے لئے ہے اور وہ لطافت جو اس قصے کی حقیقت ہے مجھے اُس کا بیان کرنے میں شرم آتی ہے۔ عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہے	۲۶۸
62	''ہمیں چیزوں کو ایسا دکھا جیسی کہ وہ ہیں اور اگر پردہ ہٹادیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو'' اور ''جس شخص کو تُو بُری نظر سے دیکھتا ہے اپنے وجود کے حلقے سے دیکھتا ہے کیونکہ ٹیڑھا قد ٹیڑھا سایہ ہی ڈالتا ہے'' کے معانی کا بیان	۲۷۰
63	حقیقت کے اعتبار سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کے بیان میں شرح دراز ہے لیکن عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہے	۲۷۱
64	جس کو یقین کا آئینہ حاصل ہے اگرچہ وہ خود بین ہو وہ خدا بین ہوگا	۲۷۲
65	چغلخور امیروں کا آدھی رات کو خزانے کی تلاش میں ایاز کا حجرہ کھولنا	۲۷۳
66	فرمان باری تعالیٰ: ''قیامت کے روز تُو اُن لوگوں کے چہرے کالے دیکھے گا جنہوں نے خدا پر جھوٹ بولا...	۲۷۴
67	بادشاہ کا ایاز کو جلد فیصلہ کرنے کا حکم کہ انتظار سُرخ موت ہے	۲۷۶
68	کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اُس کا عمل اور حالت اُس کے مناسب نہ ہو تو ایسے شخص کی حالت کا بیان	۲۷۶
69	بیوی کا گھر پہنچ جانا، زاہد کا لونڈی سے علیحدہ ہونا اور رُسوائی	۲۷۷
70	نصوح کے لئے عارف کی دُعا اور نصوح کی سچی توبہ	۲۷۸
71	نصوح کی تلاشی کی نوبت آجانا، خوف سے نصوح کا بے ہوش ہوجانا اور معاملے کا حل ہوجانا	۲۷۹
72	کوئی توبہ کرے اور پھر اُس توبہ کو بھلادے اور آزمائے ہوئے کو پھر آزمائے، اِس بات سے خدا کی پناہ چاہیے	۲۸۱

پس بیفزا حاجت اے محتاج زُود | تا بجوشد از کرم دریائے جُود
پس اے محتاج! تُو اپنی حاجت کو بڑھا | تا کہ عطا کا سمندر جوش میں آئے

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر

ہر کہ جویا شد بیابد عاقبت | مایہ اش دَرد ست اصلِ مرحمت
ہو جستجو کرتا رہا وہ پالیتا ہے | اُس کا اصل سرمایہ اُس کا دَرد ہے

ہر کجا دردے دوا آنجا رود
جہاں درد ہوتا ہے، دوا وہاں پہنچتی ہے

ہر کجا فقرے نوا آنجا رود
جہاں فقر ہوتا ہے نعمت بھی وہیں آتی ہے

اِبتدادفترِ پنجم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شاہ ضیاء الحق حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مطالبہ ہے کہ مثنوی کا پانچواں دفتر شروع کر دیا جائے۔ اے ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ! اگر مخلوق محجوب نہ ہوتی اور اُن میں سُننے کی اہلیت ہوتی تو میں آپ کی تعریف کا حق ادا کر دیتا اور اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ کرتا۔ عوام کے سامنے حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کرنا ایسا ہی ہے جیسے باز کی خوراک مولے کو کھلائی جائے۔ دُنیا کے قیدیوں کے سامنے تیری تعریف کرنا ظلم ہے' ہاں کبھی رُوحانیوں کے مجمع میں کہوں گا۔ اُسے عشق کے راز کی طرح دل میں رکھتا ہوں۔ اس لئے اے حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! جو آپ سے حسد رکھتا ہے آپ اُسے معاف کر دیں کیونکہ اُس کے حسد کرنے سے آپ کو تو نہیں لیکن اُسے ضرور نقصان ہوگا۔ سورج کے حاسد نہ اُس کا نور گھٹا سکتے ہیں اور نہ اُس کا رُتبہ کم کر سکتے ہیں۔ آپ کا رُتبہ تمام عقول سے بالاتر ہے۔ گو حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف پوری طرح کرنا ناممکن ہے لیکن پھر بھی عاجزانہ کوشش ضرور کرنی چاہیے۔

انسان بارش کا تمام پانی نہیں پی سکتا لیکن تھوڑا سا تو ضرور پی لیتا ہے۔ کچھ سیرابی ہو جائے یہ بھی غنیمت ہے۔ اگرچہ عوام کے سامنے اُن کی تعریف اُن کی اصل تعریف کا مغز نہیں بلکہ چھلکا ہے لیکن عوام کے لئے اس میں بھی بے شمار فوائد ہیں۔ میں اُن کے سامنے آپ کی معمولی تعریف اس لئے کر رہا ہوں تاکہ وہ حقیقی تعریف تک رسائی حاصل کر لیں۔ تیری ذات کے ذریعے مخلوق وہم و گمان سے گزر کر یقین حاصل کر سکتی ہے۔ مرید صرف اُسی وقت فیض حاصل کر سکتا ہے جب کہ اُس کے دل میں شیخ کی عظمت ہو۔ فیض حاصل کرنے کے لئے استعداد اور کوشش ضروری ہے۔ چوہا اندھیرے کو پسند کرتا ہے۔ جن کے دلوں میں دین کی جانب سے تاریکی ہوتی ہے اُن کے لئے علمی موشگافیاں حقیقت تک پہنچنے سے مانع ہوتی ہیں۔ جو لوگ چوہے کی طرح زمین دوز سوراخوں میں رہنے کے عادی ہوں وہ کھجور کی طرح پھل کیسے دیں گے۔

آب کم جُو تشنگی آور بدست	تا بجوشد آبت از بالا و پست
پانی کی تلاش نہ کر، اپنی پیاس کو بڑھا	تاکہ تیرے اُوپر اور نیچے سے پانی جوش مارے

"پکڑ لے چار[۴] پرندے پھر اُن کو بُلا" کی آخر آیت کی تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ اگر تجھے ہماری صفت زندہ کرنے اور مارنے میں شک ہے تو چار پرندوں کو ذبح کر ڈال۔ یہ چار پرند بطخ، مور، کوا اور مرغ تھے۔ اِن چاروں پرندوں سے انسان کی چار بُری صفات مراد ہیں جو کہ انسان کے لئے حقیقت بینی سے مانع ہیں۔ اِن صفات کا اگر انسان ازالہ کر دے تو حقیقت بین بن جاتا ہے۔ بطخ سے مراد حرص، مور سے مراد حُبِّ جاہ، کوے سے مراد تمنا اور مرغ سے مراد شہوت ہے۔ اگر انسان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حقیقت بین بننا چاہتا ہے تو اُس کو اپنی اِن چاروں صفتوں کو مٹا دینا چاہیے۔ یہ چاروں صفتیں کوے کی خاصیت رکھتی ہیں۔ کوا سب سے پہلے مُردے کی آنکھ نکالتا ہے۔ یہ صفت بھی انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔

اے حُسام الدین رحمۃ اللہ علیہ! لوگوں میں سے یہ صفاتِ ذمیمہ دُور کر دیجئے تا کہ اُن کو سلوک میں سیر حاصل ہو جائے۔ مرید شیخ کے اجزاء کی طرح ہوتے ہیں۔ آپ مجموعہ ہیں اور لوگ آپ کے اجزاء ہیں اور آپ کی وجہ سے یہ دنیا عالمِ اَرواح بنی ہوئی ہے۔ آپ یہ چاروں عادتیں ختم کر دیں تو اُن کے ازالے کے بعد ابدی زندگی نصیب ہو جائے گی۔ اِن عادتوں کی مضرت سے بچ جاؤ۔ یہ ختم ہو جائیں گی تو آپ دلوں کے حاکم بن جائیں گے اور اِس طرح خلافتِ الٰہی کے مُستحق ہوں گے۔

آرزومند کی ہمیشہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کو دنیوی زندگی ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے۔ قرآن میں سے اُنہوں نے صرف "تم کھاؤ" یعنی "کُلُوا" کا سبق ہی پڑھا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش میں رہتا ہے اور اُسے اپنے خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ مردِ مومن چونکہ اُخروی زندگی کا عقیدہ رکھتا ہے اِس لئے اُس میں جمع کرنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ اُس کو اطمینان ہوتا ہے کہ اُس کا خدا اُس کے دشمن پر غالب ہے۔ اُسے دوسرے مومنوں کی طرف سے بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ خدائی انصاف پر یقین رکھتا ہے۔ وہ اِس بات پر بھی یقین رکھتا ہے کہ اُس کا مقدر کوئی نہیں چھین سکتا۔ وہ اپنی ضرورت پر دوسروں کو ترجیح دینے والا ہوتا ہے۔ حدیث مبارک ہے کہ "حلم اور بُردباری اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے"۔ قرآن میں ہے "شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے"۔ وہ فقر سے اِس لئے ڈراتا ہے کہ انسان کھانے میں حرام سے پرہیز نہ کرے۔ کافر میں نہ مروت ہوتی ہے نہ بُردباری اور نہ وہ ثواب کا مُستحق ہوتا ہے۔

حدیث "کافر سات انتڑیوں سے کھاتا ہے اور مومن ایک سے" کے وارد ہونے کا سبب

کچھ کافر مسجد نبوی میں آنحضور ﷺ کے مہمان ہوئے اور کہا کہ ہم دُور سے آئے ہیں۔ آپ علیہ السلام ہم پر مہربانی فرمائیں۔ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اُنہیں تم تقسیم کرلو کیونکہ تم سب محبت سے بھرے ہوئے ہو۔ بادشاہ کی سیرت اُس کے لشکریوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بادشاہ کو دشمنوں پر غصہ ہوتا ہے اسی لئے لشکری تلوار چلاتے ہیں۔ بادشاہ اپنے لشکر میں رُوح کی طرح ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا "لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں"۔ سب دوستوں نے ایک ایک مہمان منتخب کرلیا۔ اُن میں سے ایک بہت پیٹو تھا' خوب موٹا تھا۔ وہ مسجد ہی میں رہ گیا اور مصطفیٰ ﷺ کا مہمان ہوا۔

حضور ﷺ کی سات بکریاں تھیں۔ وہ مہمان اُن سب کا دودھ اور جو کچھ بھی موجود تھا سب کھا گیا۔ گھر میں سب کو بھوکا رہنا پڑا۔ سوتے وقت وہ حجرے میں گیا تو لونڈی نے غصے سے دروازہ بند کر کے کُنڈی لگا دی۔ آدھی رات کے بعد اُس مہمان کے پیٹ میں گڑبڑ شروع ہوئی تو وہ دروازے کی طرف بھاگا لیکن دروازہ نہ کھلا۔ اُس نے قضائے حاجت کو دبانے کی یہ تدبیر کی کہ سو گیا۔ چونکہ اُس کا باطن ویران تھا' اُس نے خواب میں ویرانہ دیکھا تو اُس نے پاخانہ پھر دیا۔ اُس کے دل میں اس نازیبا حرکت سے بہت سی پریشانیاں پیدا ہوگئیں۔ بولا: میرا سونا میری بیداری سے بدتر ہے کہ جاگنے میں زیادہ کھالیا اور سوتے میں بستر پر پاخانہ کردیا۔ کفار محشر کے دن اسی طرح واویلا مچائیں گے۔

آنحضور ﷺ کو مہمان کی اِس حرکت کی کسی طرح خبر ہوگئی۔ اُنہوں نے دروازہ اِس لئے نہ کھولا کہ اُس کو خوب شرمندگی ہو جو اُس کے ایمان لانے کا سبب بن جائے۔ پھر حضور ﷺ خود دروازہ کھول کر چُھپ گئے تاکہ اُس کو مزید شرمندگی نہ ہو' یا اللہ کے دامن نے اُنہیں چُھپا لیا۔ اللہ کبھی نگاہوں پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ انسان اپنے پہلو کے دشمن کو نہیں دیکھ سکتا۔ حضور ﷺ کو اَحوال کا علم ہوگیا تھا لیکن خدائی حکمت تھی کہ دروازہ نہ کھولیں۔ شب میں دروازہ نہ کھولنا بظاہر اُس کے ساتھ دشمنی تھی لیکن اِس میں اُس کے لئے ایک بھلائی چھپی ہوئی تھی۔ جب کافر نے دروازہ کھلا دیکھا تو چپکے سے نکل بھاگا۔ ویسے اُس کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ خود اِس پاخانے کو دھوتا۔ ایک سادہ لوح صحابی نے آنحضور ﷺ کو بستر دکھا کر کہا کہ دیکھئے کہ آپ ﷺ کے مہمان نے کیا کیا ہے۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ لوٹا پانی کا لے آؤ تاکہ میں اِسے دھودوں۔ ہر صحابی نے مودبانہ عرض کی کہ وہ یہ کام کرتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ اُن کے لئے دل وجگر تھے۔ اُنہوں نے عرض کی: اے تیری جان کی قسم (والے)! تجھے اللہ نے عُمر کہا: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ

ہست مُر ہر صبر را آخر ظفر
ہر صبر کرنے کا انجام آخر کامیابی ہوتا ہے

ہست روزی بعدِ ہر تلخی شکر
اور ہر کڑوے گھونٹ کے بعد شکر ضرور حاصل ہوتی ہے

یَعْمَهُوْنَ "تیری عمر کی قسم وہ اپنی مستی میں اندھے ہو رہے ہیں"۔ اللہ نے حضور ﷺ کی عمر کی قسم کھائی اور قسم ذات وصفاتِ خداوندی کی کھائی جاتی ہے تو گویا آنحضور ﷺ کو اپنی صفت قرار دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بولے: ہماری زندگی کا مقصد آپ ﷺ کی خدمت ہے۔ اگر ہم خدمت نہ کریں تو ہماری زندگی بے کار ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان باتوں کا مجھے یقین ہے لیکن یہ کام میں خود اپنے ہاتھ سے کروں گا کیونکہ اس میں کچھ حکمت پوشیدہ ہے۔ حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے خدائی حکم کے مطابق بستر دھو رہے تھے۔ وہ مہمان جلدی میں اپنی مورتی وہاں بھول گیا تھا۔ اگرچہ وہ بہت شرمندہ تھا لیکن مورتی کی حرص نے اُسے دوبارہ لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

وہ واپس آیا تو اُس نے دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے ہاتھوں سے اُس کی نجاست دھو رہے ہیں۔ بیعتِ رضوان کے سلسلے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ "اللہ کا ہاتھ اُن لوگوں کے ہاتھوں کے اُوپر ہے"۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ وہ مہمان حضور ﷺ کے اس کریمانہ اخلاق کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوا کہ مورتی کو بھول گیا اور دیوانہ وار اپنا سر دیواروں سے ٹکرانے لگا۔ حضور ﷺ کو اُس کی اس حالت پر ترس آ گیا۔ وہ نعرے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ اُن کی مخالفت سے ڈرو۔ وہ کہنے لگا کہ حضور ﷺ کی ذاتِ گرامی مجموعہ عالم ہے اور خدائی حکم کے تابع ہیں لیکن میں ادنیٰ ساجز و ہو کر ظالم اور سرکش بنا ہوا ہوں۔ وہ ہر لمحہ آسمان کی طرف منہ کر کے کہہ رہا تھا کہ میرا منہ اس لائق نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے رُوبرُو ہو۔ حضور ﷺ نے اُس کی بے قراری کو دیکھ کر اُسے سینے سے لگا لیا' اُسے اطمینان دلایا اور نورِ ایمان عطا فرما دیا۔ جب تک اَبر روتا نہیں ہے چمن کب مسکراتا ہے۔ بچہ روتا ہے تو ماں کے اندر دودھ جوش مارتا ہے۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ وہ جس نے ماؤں کو دودھ دیا ہے وہ بھی بغیر روئے دودھ نہیں دیتا۔ قرآن میں وہ کہتا ہے: وَلْیَبْکُوْا کَثِیْرًا "وہ بہت روئیں" رحمتِ خداوندی بغیر آہ و زاری متوجہ نہیں ہوتی ہے۔ اگر عالم میں سورج کی گرمی اور ابر کا پانی نہ ہو تو اجسام میں نشوونما نہیں ہوتی۔ انسان کو بھی اپنی رُوح کی نشوونما کے لئے عقل میں سوزش اور آنکھ میں آنسو درکار ہیں۔ اس طرح جسم کو گھٹاؤ اور رُوح کو بڑھاؤ۔

قرآن میں ہے: وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا "اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو" مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرض کے معنیٰ اللہ کے راستے میں بدن کو گھٹانے کے ہیں۔ جسمانی خوراک کا لالچی نہ بن پھر جنت کی سیر حاصل ہوگی۔ جسم فُضلوں سے خالی ہوگا تو اسرار و انوار سے پُر ہوگا۔ جسمانی ناپاکی دُور ہوگی تو پاکیزگی حاصل ہوگی۔ قرآن میں ہے "بے شک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہلِ بیت! تم سے پلیدی زائل کر دے اور تمہیں بالکل پاک کر دے" شیطان مختلف دنیاوی

صبر گنج ست اے برادر صبر کن ۔۔۔ تا شفا یابی تو زیں رنج کہن
اے بھائی! صبر خزانہ ہے تو صبر کر ۔۔۔ تاکہ تُو اپنے پُرانے غم سے شفا پا لے

چیزوں کے فائدے اور مزے سمجھا کر اُن کے کھانے کی ترغیب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تُو وہ چیز نہ کھائے گا تو کمزور ہو جائے گا یا فلاں چیز کھائے گا تو درد وغم سے نجات مل جائے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے شیطان نے اسی طرح کی باتیں کی تھیں۔ وہ انسان کے کان پکڑ کر حرص اور مُضِر کمائی کی جانب لے جاتا ہے۔ وہ شبہات اور وسواس کے ذریعے صحیح راستے پر چلنے سے روک دیتا ہے۔ شیطان اپنے ہتھکنڈوں سے بڑے بڑے علماء کا مذاق اُڑوا دیتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عرب پر نوازش، اُسکی گریہ زاری و شرمندگی پر اُسے تسلی دینا

شیطان کے وار سے بچنے کے لئے اپنی عقل کو اپنے شیخ کی عقل سے وابستہ کر دے اور ہر بات میں اُس سے مشورہ کر لے۔ اُس عرب مہمان کو اُس کی گریہ زاری کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب نوازا۔ وہ دیوانہ ہو جانے کے قریب تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی عقل کو تھاما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے منہ پر پانی کا چھڑکاؤ کیا تو وہ ہوش میں آیا اور کہنے لگا کہ مجھے شہادت کا کلمہ پڑھا دیجئے کیونکہ حقیقی معنٰی میں کلمۂ شہادت پڑھ لینے پر انسان دنیا سے نجات پا کر آخرت کا آدمی بن جاتا ہے۔

اَزل میں اللہ نے ہم سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں؟ تو ہم نے جواب میں کہا "ہاں"۔ اب ہم دنیا میں اِس جواب کے ثبوت کے لئے بھیجے گئے ہیں تاکہ قول اور فعل اِن دو گواہوں کے ذریعے اپنے اُس "ہاں" کے دعوے کو ثابت کریں۔ گواہوں کو قاضی کی عدالت میں خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ یہ دنیاوی زندگی قولی اور فعلی گواہی کے لئے ہے۔ اگر گواہ عدالت میں پہنچ کر خاموشی اختیار کرے تو یہ اُس کا جھگڑالو پن ہے۔ جب تک گواہی نہ دے گا، قاضی کی عدالت میں مقید رہے گا۔ گواہی دینا تھوڑی دیر کا کام ہے۔ اِس معاملے کو لمبا نہ کر۔

نماز، روزہ، حج اور تمام ظاہری اعمال باطنی نُور کے گواہ ہیں

ارکانِ اسلام پر عمل، اعتقاد پر عملی گواہی ہے۔ اگر میزبان مہمان کی خاطر تواضع کرتا ہے تو یہ اِس بات کی گواہی ہے کہ وہ مہمان سے خوش ہے۔ کسی کو تحفہ دینا بھی اِس بات کی گواہی ہے کہ تُو اُس سے خوش ہے۔ اگر کوئی شخص مال خرچ کرتا ہے یا دُعا دیتا ہے تو اِس بات پر گواہ ہے کہ اُس شخص میں تقویٰ کا جوہر موجود ہے یا وہ سخی ہے۔ روزہ اِس بات کا گواہ ہے کہ اُس نے خدا کے حکم کے مطابق حلال کھانے کو بھی ترک کر دیا ہے تو پھر وہ حرام کیسے کھا سکتا ہے۔ زکوٰۃ اِس بات کی گواہ ہے کہ جب وہ اپنا مال خرچ کر رہا ہے تو وہ کسی دین دار کا مال کیسے چُرا سکتا ہے۔

صبر تلخ ست و بر او شکر ست
صبر کڑوا ہوتا ہے لیکن اُس کا پھل میٹھا ہے

صبر مُوئے کشفِ ہر سِر رہبر ست
صبر ہر راز کے کُھلنے کا راہبر ہے

اگر زکوٰۃ اور روزے میں ریا وغیرہ کو داخل کرے گا تو یہ دونوں گواہ اللہ کے دربار میں عدالت سے گر کر مجروح ہو جائیں گے۔ شکاری پرندوں کو پکڑنے کے لئے دانہ ڈالتا ہے لیکن یہ سخاوت نہیں ہے۔ بلی بھی روزہ دار معلوم ہوتی ہے لیکن اُس نے یہ صورت محض شکار پھانسنے کے لئے بنا رکھی ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لئے روزہ رکھنے اور مال خرچ کرنے والا اصلی روزہ دار اور سخی کا بدنام کنندہ ہے۔ بعض اوقات عبادت شروع میں ریا' پھر عادت بنتی ہے اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اُسے عبادت بنا دیتا ہے۔

چونکہ اللہ کی رحمت سابق ہے اِس لئے وہ ریا کار غدار کو بھی آخر کار نور بخش دیتا ہے۔ جیسے وہ پانی کے ذریعے نجس کو پاک کر دیتا ہے۔ پھر اُس ناپاک پانی کو برسا کر پاک کر دیتا ہے تا کہ اُس کی صفتِ قدوسیت ظاہر ہو سکے۔ برسات کے موسم میں پھر وہ پانی پاک صاف ہو کر برس پڑتا ہے۔ اُس پانی سے کوئی پوچھے کہ کہاں تھا؟ تُو وہ جواب دیتا ہے کہ میں جنتیوں کے دریا میں تھا۔ میں اِس دنیا میں آ کر ناپاک ہو گیا تھا اِس لئے واپس چلا گیا۔ اللہ نے مجھے پھر پاکی کی خِلعت عطا فرما دی ہے تو میں دوبارہ دنیا میں آ گیا ہوں۔ وہ کہتا ہے: اے ناپاکو! میرے پاس آجاؤ میں تمہیں پاک صاف کر دوں گا کیونکہ میں نے اللہ کی صفتِ قدوسیت حاصل کر لی ہے۔ میں سب بُرائیوں کو دھو دیتا ہوں۔ اگر انسان شیطان بھی ہے تو اُس کو فرشتے کی طرح پاک صاف بنا دیتا ہوں۔ جب ناپاک ہو جاؤں گا تو پھر اُس دربار میں پہنچ جاؤں گا اور ازسرِ نو پاکی حاصل کر لوں گا۔ اللہ کا کام پاک کرنا ہے اور میرا کام دوسروں کو پاک کر کے خود آلودہ ہو جانا ہے۔ اگر دنیا میں ناپاکی نہ ہوتی تو پانی کی صفت ظاہر نہ ہوتی۔ پانی ہر ضرورت مند کو سیراب کرتا ہے۔ وہ گھاسوں کو سیراب کرتا ہے۔ ہر ناپاک کو پاک بناتا ہے۔ دریا میں اپنے سر پر کشتی لئے پھرتا ہے۔ اُس سے صد ہزاروں بوٹیوں میں شفا کی خاصیت پیدا ہوتی ہے اور اِس طرح پانی نہروں میں شفا خانہ بن کر بہتا ہے۔ زمین کے بے سہارا اُس سے سہارا پکڑتے ہیں اور خشک اُس سے تَری حاصل کرتے ہیں۔

پانی کا ناپاک ہونے کے بعد حق تعالیٰ سے مدد چاہنا اور اللہ کا دُعا قبول کرنا

پانی نے اللہ سے درخواست کی کہ مکدر ہو جانے کے بعد وہ پھر صاف ہو جائے۔ اللہ نے اُس کی دُعا قبول فرمائی۔ پانی عرض کرتا ہے کہ جو پاکی تُو نے مجھے عطا کی تھی وہ میں نے دوسروں کو دے دی۔ کیا کچھ اور ہے؟ اللہ اُس کی اِس فریاد پر اَبر کو حکم دیتا ہے کہ اِس پانی کو دوسری جگہ لے جا اور سورج کو حکم دیتا ہے کہ تُو پانی کو اُوپر کھینچ لے۔ تو سورج اپنی گرمی سے بھاپ بنا کر اُسے اُوپر کھینچ لیتا ہے۔

صبر را باحق قرین کرد اے فلاں
اے انسان! صبر کو حق کا ساتھی کہا گیا ہے

آخرِ وَالعصر را آگہ بخواں
سُورۃ وَالعصر کے آخری حصے کو پڑھ لے

اُس پانی کے احوال کے ذریعے سے مقصد اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے حالات کو سمجھنا ہے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بھی تمہاری نجاستوں کو پاک کرتے ہیں۔ جب عوام کے اختلاط کی وجہ سے اُن میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن میں حکم ہے تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا "اللہ کی طرف رجوع کرو" وہ اِس پر عمل کرتے ہیں۔ جب شیخ رجوع کرتا ہے تو پھر اُس میں منجانب اللہ تطہیر کی طاقت آجاتی ہے۔ اب وہ مریدوں کو طہارتِ کاملہ عطا کرتا ہے اور یقین کے درجے پر پہنچا دیتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرماتے کہ "اے بلال! نماز کے لئے اذان دو اور ہمیں آرام پہنچاؤ"۔ کیونکہ نماز کی حالت میں رُوح قربِ الٰہی کا سفر اختیار کرتی ہے۔ جسم رکوع اور سجود ادا کرتا ہے۔ نماز کے ختم ہونے پر جو سلام ہے وہ گویا رُوح واپس آکر سلام کرتی ہے۔ رجوع الی اللہ کے سلسلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مثال مطلب سمجھانے کے لئے ایک واسطہ اور ذریعہ ہے۔ عوام بغیر واسطے اور ذریعے کے مقصد تک نہیں پہنچتے ہیں۔ عوام کے لئے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حمام گرم کرنے کے لئے آگ کے واسطے اور ذریعے کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو واسطے کی ضرورت نہیں تھی لیکن عوام کے لئے نبی بمنزلہ حمام اور اُن کی شریعت بمنزلہ پانی کے ہے۔ پیٹ کا بھرنا منجانب اللہ ہے لیکن اِس کے لئے واسطہ روٹی ہے۔ لطفِ اللہ کی جانب سے ہے لیکن چمن اُس کا واسطہ ہے۔ جب واسطے ختم ہو جاتے ہیں تو براہِ راست اِستفادہ ہونے لگتا ہے۔

بیرونی قول وفعل کا دِل اور اندرونی نُور پر گواہی دینا

پانی کا دوسری چیزوں کو پاک کرنا، اور پھر خود پاک ہو جانا خدائی نور کی وجہ سے ہے۔ اِسی طرح انسان کے قول وفعل اُس کے باطن کے حال کے گواہ ہوتے ہیں۔ طبیب مریض کے اندر کی حالت نہیں دیکھ سکتا تو قارورہ کے ذریعے حالت معلوم کرتا ہے۔ شیخ جو رُوحانی طبیب ہے وہ مرید کے باطن کی سیر کر لیتا ہے۔ اس لئے اُس کو مرید کے قول وفعل سے اِستدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ پیر دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔ عوام کو شیخ کے انتخاب میں شیخ کے قول وفعل سے اُس کے باطن پر اِستدلال کرنا چاہیے اور پتہ لگانا چاہیے کہ اُس کا اِتصال بحرِ حقیقت سے ہے یا نہیں۔ یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ اُس کا ظاہر محض لوگوں کو پھنسانے کے لئے ہے یا اِس میں کوئی حقیقت پوشیدہ ہے۔ اگر وہ شیخ سچا ہے تو اُس سے وابستہ ہو جاتا کہ وہ تجھے بھی بحرِ حقیقت تک پہنچا دے۔ اگر شیخ میں خدائی نور رہتا ہے تو وہ لامحالہ ظاہر ہو کر رہتا ہے اور اُس کے اظہار کے لئے شیخ کے قول وفعل کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید اللہ نے ہزاروں کیمیا دُنیا میں پیدا کئے ہیں	کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید لیکن صبر جیسا کیمیا آدمی نے نہیں دیکھا

خُدائی نُور جو خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے وہ اُس نُور سے بڑھا ہوا ہے جو قول و فعل سے ظاہر ہو

عارف باللہ میں وہ نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے عالم پُر ہو جاتا ہے۔ اُس کے اظہار کے لئے کسی تکلیف کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے شیخ کی صداقت کے لئے اُس کے قول و فعل کی گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عبادات کے ذریعے رُوح کو نیک نامی حاصل ہوتی ہے۔ یہ عبادات فانی ہیں لیکن نیک نامی باقی رہتی ہے۔ رُوح اپنی نیک نامی کے لئے خدائی حکم کے مطابق افعال و اقوال ظاہر کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ میرا اعتقاد درست ہے اور یہ افعال و اقوال اُس کے گواہ ہیں۔ لیکن ہر گواہ قابلِ قبول نہیں ہوتا بلکہ عادل گواہ قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ اِس لئے گواہ کا تزکیہ ثابت کرنا ضروری ہے۔ افعال و اقوال کا تزکیہ یہ ہے کہ اُن میں اخلاص ہو، ریا نہ ہو۔ زبان سے کوئی غیر مناسب لفظ نہ نکلے اور افعال میں عہدِ اَلست کی برابر نگہداشت ہو۔ قولی گواہ سے اگر کوئی لفظ غلط نکلے گا تو گواہ مردود ہو جائے گا اور فعلی گواہ عہدِ اَلست کے خلاف ہوگا تو گواہ مردود ہوگا۔ اُن دونوں گواہوں میں موافقت ضروری ہے ورنہ مردود ہو جائیں گے۔ انسان کے قول و فعل اُس کے دل میں چھپی ہوئی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر گواہوں کی نیکی ثابت ہو جاتی ہے تو گواہی مقبول ہو جاتی ہے ورنہ گواہ خود پھنس جاتا ہے۔ اُسے حکم ہوگا کہ ٹھہرا رہ۔ قرآن پاک میں آنحضور ﷺ سے فرمایا گیا: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ "اے نبی! آپ ﷺ اِن سے رُوگردانی کر لیجئے اور انتظار کیجئے وہ بھی انتظار میں ہیں"۔

آنحضُور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان پر کلمہ شہادت پیش کرنا

وہ کافر مہمان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا تو اُس نے کہا کہ اب تو جہاں کہیں بھی رہوں آپ ﷺ کے دسترخوان کا خوشہ چین ہوں۔ آپ ﷺ نے مجھے حیاتِ ابدی عنایت کر دی ہے۔ جو بھی آپ ﷺ کے دسترخوان سے بھاگے گا ہلاک ہو جائے گا۔ شیطان اُس کا ہم نوالہ و ہم پیالہ ہوگا۔ قرآن میں شیطان سے کہا گیا ہے وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ "اور تُو اُن کے مالوں اور اولادوں میں شریک ہو جا"۔ جو آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑے گا وہ شیطان کا ساتھی بنے گا۔ آپ ﷺ نے جو کچھ کیا ہے وہ سو مائیں بھی ایسا نہیں کرتیں۔ رسول ﷺ کا وہ مہمان مسلمان ہونے کے بعد ایک بکری کے آدھے دودھ سے سیر ہو گیا۔ آنحضور ﷺ نے اُسے مزید کھانے پر اصرار کیا لیکن اُس کی کفر کی حالت کی حرص جاتی رہی تھی۔ اُس کی غذا کم ہو گئی لیکن ایمانی غذا نے اُسے اور زیادہ توانا کر دیا۔ وہ لوگ جو زبانی مومن ہیں وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ نورِ ایمان رُوح کی غذا ہے۔ جب رُوح اور جسم کا اتحاد ہو جاتا ہے تو وہ نور جسم کی غذا بھی بن

نعمتِ وھاب را شکرے کنید
اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا شکریہ ادا کر

تا سرِ منحوس خود را شکنید
تا کہ ناشکری سے تمہارا منحوس سر نہ پھوٹ جائے

جاتا ہے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے "میرا شیطان میرے ہاتھ پر ایمان لے آیا" وہ مسلمان ہوگیا ہے۔ شیطان اگر نور سے غذا حاصل نہ کرتا تو وہ مسلمان کب بن سکتا تھا۔ جسمِ انسانی دنیا کا عاشق ہے۔ جب تک اُس میں آخرت کا عشق پیدا نہیں ہوگا اُس کی کمر نہیں ٹوٹے گی۔ جب اللہ کی طرف سے دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے تو عشق نمودار ہو جاتا ہے۔ غذا کی تبدیلی سے مزاج بدلتا ہے اور اس سے مرض زائل ہو جاتا ہے۔ انسان کو غذائے جسمانی چھوڑ کر غذائے رُوحانی کا عادی بننا چاہیے۔ امراض، مزاج اور خرابی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب مزاج اصل حالت پر آجائے گا تو مرض زائل ہو جائے گا۔ صبر کے مصائب برداشت کرنے سے راحت حاصل ہوتی ہے۔

اندروں از طعام خالی دار
تا در آں نورِ معرفت بینی (شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

"اپنے پیٹ کو زیادہ کھانے سے خالی رکھ تا کہ اللہ کی معرفت کا نور اُس میں سے نظر آئے"۔

فرشتوں کو تسبیح کے ذریعے غذائے نور حاصل ہوتی ہے۔ تُو بھی فرشتوں کی طرح تسبیح کو غذا بنالے تا کہ نجات حاصل کرلے۔ یہ نورانی خوان دنیا میں موجود ہے لیکن وہ کمینوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔

تن پرور کا رُوحانی غذا سے انکار اور جسمانی غذا سے لرزنا

دنیا دار لوگ چونکہ جسمانی غذا کے عاشق ہوتے ہیں وہ رُوح کی غذا کو نہیں سمجھتے۔ اگر پورا عالم باغ بن جائے تب بھی چوہے اور سانپ کی غذا مٹی ہی ہوتی ہے۔ یہی حال اُن دنیا داروں کا ہے۔ لکڑی کا کیڑا لکڑی کو ہی بہترین حلوہ سمجھتا ہے۔ گوبر کے کیڑے کو گوبر ہی بہترین غذا لگتی ہے۔ کوا نجاست ہی کو بہترین غذا تصور کرتا ہے۔

مُناجات

اے خدا! جب تُو نے ہمیں توفیق عطا فرمائی ہے کہ ہم اَسرار و حکم سُن رہے ہیں تو پھر ہمیں اہلِ حال کی مجلس میں پہنچا دے۔ وہ لوگ تیری شراب پی کر مَست ہو رہے ہیں اور جب کہ تُو نے ہم تک اِس شراب کی خوش بو پہنچا دی ہے تو اے دین کے رب! اِس مُشک کو بند نہ کر۔ تیری عطا عام ہے "تُو ہمیں محروم نہ کر۔ تیری ذات تو وہ ہے کہ جو نہ مانگی ہوئی دُعائیں بھی قبول فرمالیتا ہے اور دل کو سینکڑوں اَسرار سے مانوس کر دیتا ہے۔ معشوقوں کے اعضاء چند حروف کے مشابہ ہیں۔ نون ابرو کے، ص آنکھ کے حلقہ کے، ج کان کے۔ یہ سب حضرتِ حق کی کاریگری

ہے کہ چند حرف اُس نے تحریر فرمادیئے جن کی تاثیر سے سنگدل عاشق لوگوں کے دل موم ہو گئے ہیں۔ اِن حروف کے ذریعے عقل مصنوع سے صانع پر استدلال کرنے کے قابل ہوگئی۔ انسان جس طرح حسی حروف سے مقاصد اور مطالب اخذ کرتا ہے اِسی طرح خیالی حروف بھی ہیں جن سے انسان مطالب اخذ کرتا ہے۔ اِس کے لوحِ خیال پر چشم وابرو کے نقش قائم ہیں۔ صورتِ خیالی سے عاشق کا اتحادِ تام ہوتا ہے اور وہ ناقابلِ فنا ہے۔ اِسی لئے میں صورتِ حسی پر صورتِ خیال کو ترجیح دیتا ہوں۔

عقل کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے مشابہت اور اُس کی نظر کا غیب پر جبرائیل علیہ السلام کی طرح رہنا

جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام لوحِ محفوظ سے پڑھتے ہیں اسی طرح عقل بھی غیب سے پڑھتی ہے اور روزانہ کا درس حاصل کرتی ہے۔ پردہ غیب میں جو تحریریں ہیں عشاق اُن کے مطالب اخذ کرتے ہیں اور اُن کی سیاہی دیوانوں کو حیرت زدہ کردیتی ہے۔ ہر انسان کسی نہ کسی خیال کا احمق بنا ہوا ہے اور کسی خزانے کے خیال میں ہے۔ کسی کا خیال پہاڑوں کی طرف ہے۔ کوئی سمندر سے موتی تلاش کرنے کے خیال میں ہے۔ کوئی راہب بن کر گرجا گھر میں بیٹھا ہے۔ کسی کو کھیتی کی پیداوار کا خیال ہے۔ غرض اس جہان میں جو بھی کوششیں ہو رہی ہیں وہ سب مختلف خیالات کی بناء پر ہیں۔ سب کی روشیں مختلف ہیں کیونکہ خیالات مختلف ہیں۔ چونکہ سب نے جان کے قبلہ کو چھپا دیا ہے اس لئے سب مختلف اطراف میں منہ کئے ہوئے ہیں۔

مختلف روشوں اور وہموں کی اندھیرے میں نماز کے لیے قبلہ کی اٹکل کے اختلاف کی غوطہ خوروں کی سمندر کی تہہ میں اٹکل سے مثال

جس طرح اندھیرے میں لوگ قبلہ کے لئے اٹکل سے کام لیتے ہیں، صبح جب قبلہ کے رُخ کا ظہور ہو جاتا ہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ غلطی پر کون تھا۔ اسی طرح آخرت میں اٹکل کے خیالات اور غلط خیالات کا احساس ہوگا۔ میدانِ حشر میں جب حقیقت ظاہر ہوگی تو زبردست رُسوائی ہوگی۔ ہر قوم پروانوں کی طرح اپنی شمع کا طواف کر رہی ہے۔ ایسی تجلی کی طلب میں ہیں جیسی موسیٰ علیہ السلام کو درخت میں نظر آئی تھی اور جو آگ کی صورت تھی لیکن جب سورج طلوع ہوگا تو ہر شخص واضح طور پر حقیقت کو دیکھ لے گا۔ جب صبح کی ہمیشگی کا نور طلوع ہوگا تو ہر شخص اُس شمع کی حقیقت سے واقف ہو جائے گا۔ جس جس پروانے کے پر اُس شمع سے جلے تھے وہ شمع اُن کو ستر 70 اُس سے اچھے پر بدلے میں دے دے گی۔ جو لوگ عقلِ سلیم سے کام نہ لیں گے اور شیطان کے فریب خوردہ ہوں گے وہ گم گشتہ راہ ہوں گے۔ جو آنکھیں بند

گر تُو اِشکالی بکُلّی و حَرَج
اگر تجھے مشکلوں سے نکلنے میں تنگی ہے

صبر کُن کہ اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَج
تو صبر کر کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے

کر کے شہوات میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ آہیں بھریں گے اور لوگوں کے باطل معبود اُن سے اپنی برأت کر لیں گے۔ باطل معبود خود عذاب میں ہوں گے، وہ دوسروں کو کیا بچا سکیں گے۔ مومنین کی رُوحیں مسلمات ہوں گی۔ وہ لوگ جو حق پرست ہیں اور انہوں نے اپنا رُخ ذاتِ منزّہ کی طرف کیا ہے وہ باعزت ہوں گے۔ وہی باعزت ہوں گے جنہوں نے بے رُخ کی طرف رُخ کیا ہو اور جن کی منزل سرائے لامکانی ہو گی۔ جب اسبابِ ظاہری کو ختم کر دیا جائے تو اللہ پر توکل خود بخود ہو جاتا ہے۔

اِس کا بیان کہ فرجی کو فرجی کیوں کہا گیا

ایک فقیر نے تنگ آ کر اپنا جبہ پھاڑ دیا اور اُسے فروخت کر دیا۔ اِس سے اُسے فراخ دستی حاصل ہو گئی یعنی اُس نے جب وجودِ ظاہری کو فنا کیا تو اُس کو جاودانی بقا حاصل ہو گئی۔ اُس درویش نے اپنے پھٹے ہوئے جبے کا نام فرجی یعنی کشادگی رکھ دیا کیونکہ اُس کے پھٹنے سے فقیر کو کشادگی حاصل ہو گئی۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ ابتداءً کوئی نام کسی حقیقت کی بنیاد پر رکھ لیا جاتا ہے لیکن پھر اُس نام میں حقیقت گم ہو جاتی ہے اور صرف لفظ رہ جاتا ہے۔

دنیا پرستوں نے مجاز کو اختیار کر لیا اور حقیقت تک پہنچنے کے لئے تو ظاہر پرستی اور تن پروری کو چھوڑنا لازمی ہے۔ فقیری محض کمبل پوشی اور طرح طرح کے لباس پہننے کا نام نہیں ہے۔ نیکی تک پہنچنے کے لئے نیکوں کا سا لباس اختیار کر لینا مُفید ہے لیکن محض لباس اختیار کر لینا اور بدوں کے سے کام کرنا بُرا ہے۔ یاد رکھو! نشانات سے منزل تک پہنچنا چاہیے۔ محض نشان حاصل کرنا کافی نہیں ہے۔ کسی کی خوش بو سے اُس چیز تک پہنچا جا سکتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو سے ہی عشق کے بینا بنے اور اُن کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ مجاز سے حقیقت تک رجوع تو اچھی بات ہے۔ لیکن محض مجاز میں پھنسے رہنا اور مجاز ہی کا خیال خدا کی غیرت کا دُور باش یعنی دُور ہٹانے والا ہے جیسے کہ بادشاہوں کے جلوس کے آگے آگے ہوتا ہے۔ یہ خیال انسان کو اللہ کے قرب سے دُور ہٹا دیتا ہے۔ توفیقِ خداوندی جس کے ساتھ ہوتی ہے وہ مجاز سے حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ توفیقِ الٰہی جن کا ساتھ دیتی ہے وہ اِن خیالات سے شاہی نشان دکھا کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جس کے پاس شاہی نشان ہو وہ منزل تک چلا جاتا ہے۔

دُعا

اے رازوں کے جاننے والے! تیری راہ میں ہم عاجز ہیں۔ اِس حیران دل کو تدبیر عنایت کر دے۔ اپنی خمیدہ نظروں کے تیر جو تیرے نشان ہیں عنایت فرما۔ تیرا ہی فرمان ہے: وَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٌ یعنی "سخیوں کے پیالے سے زمین کو بھی حصہ ملتا ہے" یعنی مظاہرِ قدرت میں حسنِ ازلی کی تجلی نمودار

گر تُو اِشکالی بکُلی و حرج
اگر تجھے مشکلوں سے نکلنے میں تنگی ہے

صبر کُن کہ اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجْ
تو صبر کر کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے

ہوتی ہے جس کی وجہ سے لوگ حُسن کے شیدائی ہیں۔ مظاہر پرستی بھی دراصل اس حُسنِ ازلی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ وہ تجلّی جو مادیات میں ظہور پذیر ہے جب اُس نے لوگوں کو دیوانہ بنا رکھا ہے تو جو تجلّی مادے سے منزہ ہے اُس کا کیا حال ہوگا۔ جس قدر مظاہر ہیں وہ تجلّیءِ حقیقی سے سیراب ہیں' خواہ وہ چاند ہو سورج ہو عرش ہو کرسی ہو۔ وہ گھونٹ جو حقیقی تجلّی سے حاصل ہوتا ہے اُس سے فانی بھی بقا حاصل کر لیتا ہے۔ اُس گھونٹ کو حاصل کرنے کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ باطنی طہارت حاصل ہو سکے۔ دنیا کی ہر مرغوب چیز نے اُس حُسنِ ازلی سے گھونٹ حاصل کر لیا ہے۔ حسین معشوق اُسی کے جرعہ نوش ہیں۔ جب اُس مکدر جرعہ کو دیکھ کر تیرا یہ حال ہوا ہے تو اگر صاف جرعہ کو دیکھ لے تو تیرا کیا حال ہوگا۔ حسین معشوق سے موت کے وقت وہ جرعہ واپس لے لیا جاتا ہے۔ تو پھر اُسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا اور بہت جلدی اُسے دفن کر دیتا ہے۔ صاف تجلّی جب حسن دکھائے گی تو اُس وصال کا لُطف بیان نہیں ہو سکتا۔ دیدارِ حق کا بیان ناممکن ہے۔ اُس کا پیالہ چاٹنے والے شاہ جو لذّتیں حاصل کرتے ہیں وہ بھی بیان میں نہیں آ سکتیں۔ معنوی لذائذ کا دریا اس قدر وسیع ہے کہ دنیا کے ساتوں سمندر اُس کے سامنے ایک قطرہ ہیں۔ مظاہرِ قدرت والے جرعہ سے ہم جوش میں ہیں۔ ہم عاجزوں کو دوسرا جرعہ بھی عطا فرما دے۔ اگر دوسرے جرعہ کے لئے ہماری فریاد جائز ہو تو ہم فریاد کریں ورنہ خاموشی اختیار کر لیں۔ ہم حرص کے مارے ہوئے اندھے ہیں۔ ہم میں اور بہت خیر و شر ہیں' جن کی وجہ سے میں خوف میں ہوں۔

سور کی صفتِ مزاج اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اُسے مارنے کی وجہ

سور میں حُبِّ جاہ کا جذبہ مشہور ہے۔ حُبِّ جاہ میں انسان اکثر نفاق سے کام لیتا ہے۔ وہ انسانوں کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے۔ حُبِّ جاہ میں مبتلا انسان کی دوستی ناپائیدار ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دوست بناتا ہے اور اپنا فائدہ حاصل کرنے کے بعد دوستوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ حُبِّ جاہ میں مبتلا انسان لغو باتوں میں اپنی عمر کو برباد کرتا ہے۔ وہ ساری عمر دوسروں کا شکار کرتا رہتا ہے لیکن جب موت آتی ہے تو محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ شکاری بڑا احمق ہے جو شکار کرنے کی بجائے خود ہی شکار بن جائے۔

عوام کو پھانسنا سور کا شکار کرنا ہے کہ بڑی مصیبت سے جال میں پھنستا ہے اور اُس کا کھانا حرام ہے۔ اگر تُو نے شکار کھیلنا ہی ہے تو عشق کا شکار کر لیکن یہ وہ شکار ہے جو ہر کس و ناکس کے جال میں نہیں پھنستا ہے۔ عشق کا شکار تم تب کر سکو گے اگر خود اُس کے شکار ہو جاؤ گے۔ عشق کا یہ نعرہ ہے کہ شکاری بننے سے بہتر ہے کہ تم خود شکار بن جاؤ۔ عشق کے

ہر کہ اُو اندر بلا صابر نشُد
جو کوئی مصیبت میں شاکر و صابر نہیں رہتا ہے

مُقبلِ ایں درگہِ فاخر نشُد
اللہ کی قابلِ فخر درگاہ میں مقبول نہیں ہوتا ہے

معاملے میں اپنے آپ کو بے عقل بنالو اور سورج بننے کی بجائے ذرّہ بن جاؤ یعنی خانماں برباد بن کر میرے دَر پر آ پڑو۔ جب یہ کیفیت ہو جائے گی تو حقیقی لذّت حاصل ہو گی اور پھر انسان غلامی میں شاہی کرے گا۔ دنیا کے کام اُلٹے ہیں۔ جو اس کے قیدی ہیں لوگ اُنہیں شاہ کہتے ہیں اور جو شاہ ہیں اُنہیں فقیر اور گدا کہتے ہیں۔

اللہ کی مہر اور قہر کو سب جانتے ہیں، سب قہر سے گریز کرتے ہیں اور مہر سے وابستہ ہیں

ایک درویش نے دوسرے درویش سے پوچھا کہ تُو نے حضرتِ حق کو کیسا پایا؟ جواب میں وہ بولا: ذاتِ حق کی چگونگی ناقابلِ بیان ہے لیکن سمجھانے کے لئے کچھ بتاتا ہوں۔ میں نے اُس کے بائیں جانب آگ دیکھی اور دائیں جانب حوضِ کوثر دیکھا۔ لوگوں کا ایک گروہ ایسا ہے جو سوزِ آگ کی طرف بڑھ رہا ہے اور ایک اُس نہر کے لئے مست ہے۔ لذائذِ نفسانی آخرت میں سانپ اور بچھو کی صورت میں نمایاں ہوں گے۔ اسی طرح مجاہدات وعبادات کی مشقتیں نوازشات کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لئے یہ تدبیر فرمائی ہے کہ انسان اگر دنیا میں نفسانی فوائد میں لگے گا جو بظاہر حوضِ کوثر کی طرح حسین ہیں تو بباطن وہ آگ کو حاصل کر رہا ہے اور عبادت کی مشقتوں میں لگے گا جو بظاہر آگ ہیں تو وہ آخرت میں حوضِ کوثر حاصل کرلے گا۔ اس پوشیدہ راز کی طرف کم لوگوں کی توجہ ہے۔ وہ سربلند ہے جو اس زندگی میں کچھ مشقت اُٹھاتا ہے۔ دراصل لوگ نقد فائدے کی طرف دیکھتے ہیں اس لئے آخر میں نقصان اُٹھاتے ہیں۔

اس زندگی کی عبادات کی مشقت پکارتی ہے کہ میں آگ نہیں ہوں چشمہ نور ہوں، چنگاریوں سے نہ گھبرا۔ اگر تُو اللہ کا خلیل ہے تو عقل مند بن اور مجاہدات کی آگ میں کود جا۔ پروانوں کی طرح اُس آگ میں کود جا جو پانیوں کی جان ہے۔ پروانے کا معاملہ ہمارے معاملے کے برعکس ہے، وہ نور دیکھتا ہے اور آگ میں گر جاتا ہے۔ دل آگ میں کودتا ہے، نور میں پہنچ جاتا ہے۔ اللہ نے آزمائش کے لئے آگ کو پانی کی شکل دے دی اور آگ میں چشمہ جاری کر دیا۔ قرآن پاک میں ہے "اللہ تعالیٰ نے اُن کے مکر کو برباد کر دیا اگرچہ اُن کا مکر ایسا تھا کہ اُس سے پہاڑ ہل جائیں" یعنی جادوگروں کے ہتھکنڈے ہر چیز کے پیدا کرنے والے کے سامنے مولے کی طرح پھنس کر رہ گئے۔ فرعون، نیل کو خشکی سمجھ کر پانی میں ڈوبا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام، آگ کو آگ سمجھ کر گلزار میں پہنچ گئے۔ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ تیرے لئے عقل کا ایک ذرّہ روزے اور نماز سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ عقل جوہر ہے اور یہ دونوں عرض ہیں۔ عبادات عقلِ شرعی کی تکمیل کے لئے فرض ہوئی ہیں اور شرعی اعتبار سے عقل دل میں ہے۔ عبادات آئینہ دل کی صفائی کے لئے ہیں لیکن اگر آئینہ ایسا ہے

جو دیر سے صیقل ہوگا تو اے مُرشد! آپ ایسے آئینے کی طرف توجہ فرمائیں جو تھوڑی صیقل سے ہی چمک اُٹھے۔

عقلوں کا فرق دراصل فطرت سے ہے، اہلِ عقل کے نزدیک شخصی عقلیں برابر ہیں، فرق صرف تعلیم، ریاضت اور تجربہ کا ہے

یہ حقیقت ہے کہ عقلوں میں فطری تفاوت ہے اور اُن کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک عقل کا نور سورج جیسا ہے اور دوسری عقلیں ستاروں جیسی کم درجہ بھی ہیں۔ عقلِ کُل یعنی ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عقل کے سامنے سے جب ماسویٰ اللہ کا ابر ہٹ جاتا ہے تو وہ دوسری عقلوں کو خدا کو دیکھنے والا نور عطا کر دیتی ہے اور مخلوق کی عقلیں اُس کی عقل سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ عقلِ کُل بظاہر انسانی لیکن درحقیقت مَلکی رُوح ہوتی ہے۔ انسان صرف اُس عقل کا مظہر ہے۔ انسانِ کامل جو کہ مظہرِ عقلِ کُل ہے اُس سے حق کی جستجو کر۔ عام انسان کی عقل بھی اگرچہ عقلِ کُل سے استفادہ کرتی ہے لیکن دنیاوی مشاغل نے اُس کو بے مقصد بنا دیا ہے۔ عقلِ کامل نے اپنے آپ کو عشقِ حق کے جال کا شکار بنا کر صیاد کا حُسن سیکھ لیا ہے۔ یعنی اخلاقِ خداوندی سے متصف ہوگئی ہے اور عقلِ ناقص نے دوسروں کو اپنے جال میں پھانسنا چاہا اور خود جال میں پھنس گئی۔

عقلِ کامل خادم بن کر مخدوم بنی اور عقلِ ناقص نے خود مخدوم بننا چاہا تو عزت کے راستے سے بھٹک گئی۔ فرعون نے مخدومیت پسند کی تو دریا میں غرق کر دیا گیا۔ سبطی خادم اور قیدی بنا تو آقاؤں میں شمار ہوا۔ خادمیت سے مخدومیت حاصل ہونا انسانی تدبیر سے ممکن نہیں ہے بلکہ فضلِ خداوندی پر موقوف ہے۔ انسانی مکّاری اور تدبیر فضلِ ربانی کے منافی ہے۔ انسان خدمت گزاری کی تدبیر اختیار کرے تو انبیاء علیہم السلام کے اخلاق سے متصف ہو جائے گا اور اُمتی ہوتے ہوئے بھی اُس میں انبیاء علیہم السلام کے اَوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ انسان کو اپنی تدابیر کو ترک کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے اور اپنے آپ کو اَوصافِ ذمیمہ سے پاک کرنا چاہیے۔ کمترین بندہ بننے کی تدبیر کرے گا تو آقائی میسر آئے گی۔ خدمت مخدوم بننے کی نیت سے بالکل نہ کی جائے۔ اپنی تدابیر کی زور آزمائی نہ کر، عاجزی اختیار کر کیونکہ اللہ پاک عاجزوں پر رحم فرماتا ہے۔ وہ عاجزی اختیار کر جو ایک مجبور پیاسے کی ہوتی ہے۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام مصنوعی رونا روئے تھے، ایسی گریہ زاری کی کوئی اہمیت نہیں۔ ایک قِصّہ سُن لے۔

بدّو، جس کا کُتّا بھوک سے مر رہا تھا اور اُس کے پاس روٹیوں سے بھرا ہوا تھیلا تھا

ایک عرب اپنے کتے کے پاس بیٹھا آہ وزاری کر رہا تھا کہ اے میرے ساتھی! تیرے بغیر میں کیا کروں گا؟ ایک اور شخص وہاں سے گزرا تو اُس نے رونے اور آہ وزاری کی

وجہ پوچھی۔ بدو بولا: یہ میرا بہت ہی اچھا کتا ہے۔ اب وہ مر رہا ہے۔ یہ بہت اچھا شکاری تھا اور چوروں سے میرے گھر کی حفاظت کرتا تھا۔ بڑا صابر اور نیک خُو تھا۔ ہائے اب میں کیا کروں' اس کے بغیر کیسے جیوں گا؟ گزرنے والے نے پوچھا کہ آخر اِسے ہوا کیا ہے؟ بدو بولا: بھوک کی وجہ سے مر رہا ہے۔ اُس شخص نے کہا: اے بھائی! اب صبر کر اللہ صابروں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اِس کے بعد اُس نے پوچھا کہ تمہاری کمر کے ساتھ کیا بندھا ہوا ہے؟ بدو بولا: میں نے کل کے لئے کافی کھانا رکھا ہوا ہے تاکہ خوراک کم ہونے کی وجہ سے میرا جسم کمزور نہ ہو جائے۔ اُس نے کہا کہ کچھ روٹی کتے کو بھی کیوں نہیں دیتے۔ وہ بولا: روٹی ختم ہوگئی تو پیسوں سے ملے گی۔ آنسو جو میں بہا رہا ہوں یہ تو مفت کے ہیں۔ وہ شخص بولا: اے ہوا سے بھری ہوئی مَشک! تیرے سر پر خاک' کیا روٹی کا ٹکڑا تیرے نزدیک آنسو سے بہتر ہے؟ آنسو تو دراصل خون ہوتا ہے جو غم سے پانی بن جاتا ہے۔ تُو نے تو اپنے آپ کو ذلیل کر دیا' اِس لئے تیرا یہ آنسو بھی ذلیل ہے۔ میں اپنے مُرشدِ کامل کا غلام ہوں جو ایسا باہمت کیمیا پرست ہے کہ وہ عاجزی، کیمیا (ذاتِ باری تعالیٰ) کے سامنے ہی کرتا ہے۔ جب حقیقتِ عجز و شکستگی کے ساتھ دُعا کی جاتی ہے تو فضلِ خداوند آتا ہے۔ مجاہدات کی آگ بجھ' تب دنیا سے نجات ملے گی۔ جب انسان اپنی تدبیر کو خدائی تدبیر میں فنا کر دیتا ہے تو عجب راہیں کھل جاتی ہیں۔ اُن راہوں کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کو اَبدی عروج اور بقاء حاصل ہو جاتا ہے اور اُسے علمِ لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔ انسان جب اُس مقام کو خوب سمجھ لیتا ہے تو اُس کے حصول کے لئے پوری کوشش کرتا ہے' مغرور نہیں بنتا۔ انسان کی خود بینی اُس کے لئے سب سے زیادہ مہلک ہے۔ ہاں اگر وہ صفاتِ خداوندی سے متصف ہو گیا تو پھر اُس کی خود بینی اپنی خود بینی نہیں رہتی۔

نظرِ بد

اے مور! تُو اپنے پروں ہی کو نہ دیکھ اپنے پاؤں کا بھدا پن بھی دیکھ۔ انسان کو اپنے عیوب پر نظر رکھنی چاہیے ورنہ اُس کی نیکیوں کو نظرِ بد لگ جائے گی۔ نظرِ بد کی بہت بُری اور بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں ہے "اور قریب ہے کہ کافر لوگ تمہیں اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں"۔ آنحضور ﷺ ایک مرتبہ چلتے چلتے پھسل گئے حالانکہ نہ بارش ہوئی تھی اور نہ ہی کیچڑ تھا۔ حضور ﷺ کو پھسلنے سے بہت تعجب ہوا۔ پھسلنے کی وجہ وحی سے معلوم ہوئی کہ کسی کافر کی نظرِ بد اِس قدر سخت تھی کہ تم تو صرف پھسلے اگر کوئی اور ہوتا تو ہلاک ہو جاتا۔ آنحضور ﷺ چونکہ معصوم تھے اِس لئے اُن پر اِس کا اثر محض اُس کی تاثیر دکھانے کے لیے ہوا تھا۔ حضور ﷺ کے اِس واقعے سے عبرت حاصل کر لو۔ جب کہ حضور ﷺ جیسے پہاڑ پر بھی اُس کا اثر ہوا تو اپنی گھاس جیسی حیثیت پر اُس کی تاثیر کو سمجھ لو۔ لوگوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ اِس وادی کے لوگ اپنی نظرِ بد سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔

قالبِ خاکی فتادہ بر زمیں	رُوحِ اُو گرداں براں چرخِ بریں
اُس کا مٹی کا جسم زمین پر رہے	اور رُوح بلند و بالا آسمان پر گردش کرے

آیت "اور قریب ہے کہ کافر تمہیں اپنی نظروں سے پھسلا دیں جب کہ انہوں نے ذکر (قرآن) سنا اور کہتے ہیں کہ یہ مجنون ہے اور نہیں ہے مگر جہانوں کا تذکرہ" کی تفسیر

لوگوں نے آنحضور ﷺ سے عرض کیا کہ اس وادی کے لوگ بلند پرواز گدھ کو بھی اپنی نظرِ بد سے متاثر کر دیتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں یہ اثر ہے کہ شیر کی کھوپڑی کو شق کر دیتے ہیں۔ اگر کسی اونٹ کا گوشت اِن کو پسند آجائے تو اس پر اپنی نگاہِ بد ڈال کر فوراً غلام کو اُس کا گوشت خریدنے کے لئے روانہ کر دیتے ہیں۔ حسد اور نظرِ بد کے اثر سے آسمان کی گردش اُلٹی ہو جاتی ہے۔ گو نظرِ بد کا اثر ہے لیکن اصل سبب تقدیرِ الٰہی ہے' جو مخفی ہے۔ جس طرح پانی سے چلنے والی چکی بظاہر متحرک ہے لیکن حرکت کا اصل سبب پانی ہوتا ہے۔ نظرِ بد کی تاثیر کو عارف کی نظر فنا کر دیتی ہے۔ نظرِ بد کی تاثیر قہرِ الٰہی ہے اور نیک نظر کی تاثیر رحمتِ الٰہی ہے اور رحمت' قہر پر غالب ہے۔ نبی' رحمت کا اور کافر' قہر کا مظہر ہے۔

حُبِّ جاہ کی بیماری شہوتِ معدہ سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ حُبِّ جاہ میں الوہیت میں شرکت کا دعویٰ ہے اور شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش شہوتِ معدہ اور باہ کی وجہ سے تھی اور شیطان کی معصیت حُبِّ جاہ کی وجہ سے تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی کا اثر زائل ہو گیا لیکن شیطان معصیت میں مبتلا رہا۔ کھانے اور شرمگاہ کی شہوت میں عموماً انکساری سے کام لینا پڑتا ہے۔ حُبِّ جاہ کی مذمت کے لئے دفتر درکار ہے۔ لغت میں شیطنت' سرکشی اور تکبر کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ صفت لعنت کی مستحق ہے۔ کھانے والے ایک دسترخوان پر دس جمع ہو جاتے ہیں لیکن دو بادشاہ دنیا میں بھی جمع نہیں ہو سکتے۔ ہر بادشاہ کی خواہش ہوتی ہے کہ تنہا ساری دنیا پر حکومت کرے۔ بادشاہوں کے تکبر اور حُبِّ جاہ کی مثال آگ کی سی ہے جو ہر چیز کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور کچھ نہ ملے تو اپنے آپ کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ اپنے آپ کو ناچیز بنا کر حُبِّ جاہ کے مرض سے نجات حاصل کر لو۔ سخت چیز کو اَہرن پر کوٹا جاتا ہے' جب کہ نرم چیز محفوظ رہتی ہے۔ الوہیت' اللہ کی چادر ہے دوسرا اوڑھے گا تو وبال بن جاتی ہے۔ تاج' اللہ کی ملکیت ہے' ہمارے لئے تو خدمت گزاری کی پیٹی ہے۔ مور کا اپنے پروں کے حُسن پر غرور کرنا خدائی میں شرکت کا دعویٰ ہے۔

مور کا اپنے پَر نوچ کر پھینکنا اور ایک دانا کا دیکھنا

ایک عقل مند نے ایک مور کو دیکھا کہ اپنے پَر اُکھاڑ رہا تھا۔ اُس مرد

تا بدانی کہ تن آمد چوں لبیس	رَو بجو لابس، لباسے را ملیس
تُو یہ سمجھ لے کہ ہمارا جسم لباس کی طرح ہے	جا پہننے والے کو تلاش کر، لباس کو نہ پیٹ

نے مور سے کہا کہ تیرے پَر اتنے پیارے ہیں کہ ہر شخص ان کو قرآن میں رکھتا ہے۔ حسین لوگ ہوا کے لئے تیرے پَروں کے پنکھے استعمال کرتے ہیں۔ تیرا اپنے پَروں کو اُکھاڑنا بے باکی ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ تیرے پَروں پر نقاشی کس ذات نے کی ہے؟ اگر تُو جانتا ہے تو پھر اس کاری گری کو برباد کیوں کر رہا ہے؟ ایسا نازِ بے جا غلام کو شاہ کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔

انسان کو بھی ناز کرنا بہت پسند ہے لیکن اس میں خطرات بہت ہیں۔ بے خطر راستہ نیاز مندی کا ہے، لہٰذا انسان کو وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ناز و انداز جب بڑھتا ہے تو وبالِ جان بن جاتا ہے۔ نیاز مندی اگرچہ انسان کو مسکین اور لاغر بناتی ہے لیکن قلب کو روشنی عطا کرتی ہے۔ حضرتِ حق کی صفت ہے کہ وہ مُردے سے زندہ پیدا کر دیتا ہے۔ تو یاد رکھو! جو مردہ بن جائے گا اُسے وہ نئی زندگی عطا فرمائے گا۔ چونکہ وہ زندہ سے مردہ بھی پیدا کرتا ہے اگر تُو نفس کو نہ مارے گا تو وہ مردہ ہو جائے گا۔ تُو فانی بن جا پھر وہ تجھے حیاتِ ابدی عنایت کر دے گا۔ تُو اپنے اُوپر خزاں طاری کر دے گا تو بہار کا لطف دیکھے گا۔

افکار سے نفسِ مطمئنہ کی صفائی اور سادگی پریشان ہوجاتی ہے جیساکہ آئینہ پر لکھنے کے بعد صاف کرنے سے داغ رہ جاتا ہے

مختلف قسم کے افکار کی وجہ سے نفسِ مطمئنہ کی صفائی میں خلل پڑتا ہے جیسا کہ آئینہ پر کچھ لکھو اور پھر صاف کر دو تو پھر بھی اُس پر داغ رہ جاتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ کا چہرہ افکار کے ناخن سے زخمی ہو جاتا ہے۔ خصوصاً بُرے افکار تو زہریلے ناخن ہیں جو بعض اوقات رُوح تک کے چہرے کو بدنما بنا دیتے ہیں۔ جب انسان افکار کی کسی گرہ کو کھولتا ہے تو رُوح کے زرّیں پَر ناپاک ہو جاتے ہیں جس سے اُس کی پرواز میں کمی آجاتی ہے۔

اِن دنیاوی افکار کی عُقدہ کشائی ایسی ہے جیسے کسی خالی تھیلی کے منہ کی سخت گرہ کو کوئی شخص کھولے جو لا حاصل ہے۔ اِس میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ چند گرہوں کے کھولنے میں تُو بوڑھا ہو گیا۔ فرض کر لے کہ چند گرہیں تُو نے اور کھول لیں لیکن حاصل کیا ہوا۔ تیرے شقی یا سعید ہونے کی گرہ جو تیرے گلے میں لگی ہوئی ہے اگر تُو اِس کو کھول لے تو یہ سب سے بہتر ہوگا۔ اگر تُو آدمی ہے تو اس مشکل کو حل کر۔ عقل کو استعمال کرنے والے لوگ عرض اور جوہر کی تعریف میں اور لوگوں کے حالات پر غور کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اپنی حقیقت اور ماہیت سے بے خبر رہتے ہیں۔ ’’جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رَبّ کو پہچان لیا‘‘۔ یاد رکھو! اپنے نفس کی حقیقت کا علم انسان کو خدا کی معرفت تک پہنچاتا ہے۔

رُوح وارد بے بدن بس کاروبار	مُرغ باشد دَر قفس بس بے قرار
رُوح کے، بدن کے بغیر بہت سے مشغلے ہیں	رُوح، جسم کے پنجرے میں بہت بیقرار رہتی ہے

نفس کی حقیقت کو معلوم کرنے کا ذریعہ سوائے مُرشدِ کامل کے کوئی نہیں۔ ہاں اللہ کسی پر خصوصی مہربانی فرمادے تو اُس کے لئے کیا مشکل ہے۔ اللہ کی حقیقت کو معلوم کرنے میں دلیل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ دلیل کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو تو بے کار ہے۔ تُو اپنے انجام پر غور کر لے۔ تُو نے مُشاہدہ کیا ہے یا محض مخلوق کے ذریعے خالق کو سمجھا ہے۔ یہ عالم مصنوع ہے اور ہر مصنوع کا کوئی صانع ضرور ہوتا ہے۔ برگزیدہ اشخاص ہمیشہ ہر حال میں اپنی توجہ صانع کی طرف رکھتے ہیں اور دلائل سے ہٹ کر مراقبہ میں مشغول ہو کر مشاہدہ تک پہنچتے ہیں۔ فلسفی اثر سے مؤثر کو سمجھتا ہے۔ یعنی دھوئیں سے آگ تک پہنچتا ہے لیکن عارفوں کے لئے قرب اور عشق کی آگ دھوئیں سے نزدیک تر ہے۔ اس لئے مُشاہدہ سے ہٹ کر دلائل سے اُس ذات تک پہنچنا سیاہ کاری اور غلطی ہے۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "اسلام میں رہبانیت نہیں ہے"

معصیت کے اسباب اور قدرت کے ہوتے ہوئے اُس سے بچنا کمال ہے نہ کہ گناہ کی طاقت کو ختم کر کے اُس سے بچنا۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ راہب گناہوں کے اسباب اور اُس کی قدرت کو فنا کر ڈالتے ہیں۔ مور کو نصیحت کی گئی ہے کہ تُو اپنے پر نہ اُکھاڑ یعنی شہوت اور حُبِ جاہ کے اسباب کو ختم نہ کر کیونکہ یہ تیرے دشمن ہیں اور دشمن نہ ہو تو جہاد کی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر انسان میں شہوت کا مادہ ہی نہیں ہے تو زنا نہ کرنے کے حکم کی فرماں برداری کے اُس کے لئے کوئی معنٰی نہیں ہیں۔ اگر انسان کا کسی جانب میلان نہیں ہے تو اُس سے صبر کرنے کے اُس کے لئے کوئی معنٰی نہیں ہیں۔ دشمن نہ ہو تو پھر لشکر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔

راہب زنا سے بچنے کے لئے اپنے خصیے نکلوا دیتے تھے۔ قرآن میں حکم ہے "اَنْفِقُوْا" یعنی خرچ کرو۔ اس حکم کی تعمیل جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ انسان کمائے۔ اگرچہ قرآن میں صرف "خرچ کرو" آیا ہے لیکن اس کا مطلب یہی ہے کہ کماؤ اور خرچ کرو۔ اسی طرح "صبر کرو" کے حکم میں تعمیل جب ہی ہے کہ رغبت موجود ہو۔ "کُلُوْا" "تم کھاؤ" کا حکم شہوت کا جال ہے اور "لَا تُسْرِفُوْا" فضول خرچی نہ کر دعفت ہے، اب اگر "کُلُوْا" ممکن نہ ہو تو "لَا تُسْرِفُوْا" کے کوئی معنٰی نہیں ہیں۔ صبر کرنے میں اگر کوئی کلفت ہی نہیں ہے تو اُس کی جزا حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب شرط مفقود ہو تو مشروط موجود نہیں ہوگا۔ صبر کی تکلیف ہو تو اُس کا بدلہ بھی ہوگا۔ دونوں قابلِ مبارک باد ہیں۔

میلِ تن در سبزہ و آبِ رواں
جسم کا میلان سبزے اور پانی کی طرف ہے

زاں بُوَد کہ اصلِ اُو آمد ازاں
کیونکہ اُس کی اصل وہاں سے آئی ہے

اللہ کی جانب سے عاشق کے عمل کا ثواب اللہ خود ہے

پہلے جزا کا بیان ہو رہا تھا لیکن اب بتاتے ہیں کہ عشق کی جزا کیا ہے۔ عاشقوں کا بدلہ خود ذاتِ باری تعالیٰ ہوتی ہے۔ عاشقوں کا رنج وخوشی اور اُن کے اعمال کی اُجرت صرف ذاتِ الٰہی ہی ہے۔ اگر وہ معشوق کی ذات کے علاوہ کسی چیز کا طالب ہے تو پھر اُس کا عشق، عشق نہیں ہے بلکہ وہ دیوانہ ہے۔ جب عشقِ الٰہی نمودار ہوتا ہے تو ماسویٰ اللہ اُس کی آگ سے جل جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ میں "اِلَّا اللہ" کہنے کا مطلب یہی ہے کہ اب اُس کے لئے سب کچھ ذاتِ خداوندی ہی ہے۔ عشق غیر کو بالکل جلا ڈالتا ہے۔ عاشق کی آنکھ صحیح ہوتی ہے وہ صرف ایک ہی دکھاتی ہے۔ بھینگے کو ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

جہاں کہیں بھی حُسن کی جھلک ہے وہ ذاتِ خداوندی کا پَرتو ہے۔ جسم میں رُوح کی وجہ سے حرکت ہوتی ہے اور یہی جسم کا حُسن ہے۔ ہر چیز کے عکس کو عکسِ خداوندی وہی سمجھے گا جس کی رُوحِ انسانی زندہ ہوگی۔ جو رُوحِ انسانی کی عظمت سے ناواقف ہیں وہ رُوحِ حیوانی ہی کو سب کچھ کہیں گے۔ جو فطرتاً بد ہیں اُن کی اِصلاح ناممکن ہوتی ہے۔

جس نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو نہ دیکھا ہو وہ حجاج بن یوسف کو ہی عادل سمجھے گا جو کہ بہت ہی ظالم انسان تھا۔ اُس نے ہزاروں بے قصور لوگوں کا خون بہایا تھا۔ جب تک کوئی اصل کو نہیں دیکھ لیتا وہ نقل سے دھوکا کھا ہی جائے گا۔ جو شخص حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے وہ مجاز کو حقیقت سمجھ لیتا ہے۔ چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ دنیا کو بھگت کر آخرت کی قدر معلوم ہوگی۔ انسان جب دنیا کی زندگی ختم کر کے عالمِ آخرت میں پہنچے گا تو بہت شکر گزار ہوگا۔ پھر سمجھے گا کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں خاک اور مٹی تھی۔ دنیا خارستان تھی اور آخرت گلستان ہے۔ دنیا میں جس قدر وقت گزرا اُس پر انسان افسوس کرے گا۔ مرنے کے بعد ہر نیک و بد جلد مر جانے کی خواہش کا اظہار کرے گا۔ اگر نیک ہوگا تو کہے گا کاش میں جلد اِس بھلائی تک پہنچ جاتا۔ اگر بد ہے تو کہے گا کاش پہلے مر جاتا تو بُرائیاں کم کرتا۔

حدیث "ہر مرنے والا یہ ضرور تمنّا کرے گا کہ وہ پہلے مَر جاتا، نیک ہے تو جلد بھلائی کو پہنچ جاتا اور اگر بُرا ہے تو اُسکی بدکاری کم ہوتی"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جسم کی قید سے چھوٹا اُسے اپنے مرنے پر افسوس نہ ہوگا۔ اگر وہ نیک ہے تو کہے گا کہ پہلے مرتا تو پہلے جنت میں پہنچ جاتا۔ اگر بد ہے تو سوچے گا کہ اگر جلد مر جاتا تو بُرائیاں کم کرتا، اگر پہلے مر جاتا تو میرے گمراہی کے پردے کم ہوتے۔ اے انسان! حرص کی وجہ سے قناعت کو نہ چھوڑ اور تکبر کر کے

مَیلِ جاں اندر حیاتِ و درحیٔ ست	زانکہ جانِ لامکاں اصلِ وے ست
ہماری جان کا میلان زندگی اور اللہ کی طرف ہے	کیوں کہ اُس کی اصل لامکانی جان ہے

عاجزی کے چہرے کو زخمی نہ کر۔ بخل سے سخاوت کو تکلیف نہ پہنچا اور اپنی شیطنت سے سجدہ والے حسین چہرے کو زخمی نہ کر۔ جنت تک پہنچانے والے پَروں کو نہ اُکھاڑ۔ جب مور نے ناصح کی باتیں سُنیں تو وہ رو پڑا اور اپنی گریہ زاری سے دوسروں کو بھی رُلا دیا۔ ناصح خود بھی اُسے دیکھ کر رونے لگا۔ وہ سوچتا تھا کہ میں نے کیوں بے وقوفی سے مور کو تکلیف پہنچائی۔ آنسو کے ہر قطرے میں اُس سوال کا جواب تھا۔ جو خلوص کا رونا ہوتا ہے اُس کی تاثیر محض دنیا تک ہی نہیں بلکہ عرش تک پہنچتی ہے۔ بناوٹی رونے پر شیطان مذاق اُڑاتا ہے۔ ''دل خدا کا عرش ہے'' تو چونکہ سچا رونے سے عرش متاثر ہوتا ہے لہٰذا عقل اور دل جو کہ دونوں عرشی ہیں وہ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

ہاروت اور ماروت دونوں کا تعلق عالمِ بالا سے تھا لیکن چاہِ بابل میں قیدی ہیں۔ اسی طرح عقل و رُوح بھی عالمِ بالا کی چیزیں ہوتے ہوئے انسانی بدن کے کنویں میں قیدی ہیں۔ اِن دونوں نے چونکہ عالمِ سفلی اور شہوانی سے تعلق پیدا کرلیا ہے اِس لئے اُنہیں جسم کے کنویں میں بند کر دیا گیا۔ اب نیک لوگ اُن سے اچھی تعلیمات حاصل کرتے ہیں اور بُرے لوگ بُری تعلیمات حاصل کرتے ہیں۔ عقل اور رُوح سمجھاتی ہے کہ ہمارے سحر سکھانے میں ایک اِمتحان اور آزمائش ہے کہ سیکھنے والا اِسے غلط استعمال کرتا ہے یا صحیح۔ اُس جادو کا سیکھنا انسان کا اپنا اِختیاری فعل ہے' اِسی لئے اُسے اِن دونوں باتوں پر قدرت ہے۔

انسان کے اندر کی خواہشیں سوئے ہوئے کتوں کی طرح ہیں اور انسان کے دل میں خیر و شر دونوں موجود ہیں۔ انسان کا یہ سمجھنا کہ اُس میں بُرائی کی طاقت نہیں ہے' بہت بڑی غلطی ہے۔ چونکہ بُرائی کا موقع حاصل نہیں' اس لئے وہ قوت سوئی ہوئی ہے جب موقع ملے گا وہ فوراً بیدار ہو جائے گی۔ انسانی خواہشوں کا حال سوئے ہوئے کتوں جیسا ہوتا ہے۔ اُن کے سامنے جب کوئی مُردار آجاتا ہے تو پھر اُن کی نیند کا حال دیکھو۔ اب اُس کتے کا ایک ایک بال دانت بن جاتا ہے اور وہ حیلے اور غصّے سے پُر ہو جاتا ہے۔ آگ کو اگر ایندھن نہ ملے تو قدرے پُرسکون ہوتی ہے لیکن ایندھن ملتے ہی شعلہ زن ہو جاتی ہے۔ انسان کے اندر یہ بُری صفتیں اُن کتوں کی طرح سوئی ہوئی ہیں' جب موقع ملتا ہے تو وہ پھر اپنی تیزی دکھاتی ہیں۔ بیماری کے دوران مختلف غذاؤں کی شہوت و رغبت سکون پذیر ہوتی ہے لیکن جب وہ مختلف غذائیں دیکھتا ہے تو وہ شہوت بیدار ہو جاتی ہے۔ خواہش بیدار ہوتی ہے اور انسان کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کھانے کو جی بھی چاہتا ہے لیکن ڈرتا بھی ہے کہ اگر کھاؤں گا تو مرض کی وجہ سے بدپرہیزی ہو جائے گی۔ اگر مریض میں صبر کا مادہ ہے تو اُن غذاؤں کو دیکھنا اُس کے لئے مُفید ہے تا کہ اُس کی خواہش بیدار ہو جائے اور اگر وہ صابر نہیں ہے تو اُس کے لئے

میلِ جاں اندر ترقّی و شرف
جان کا میلان' ترقی اور شرافت کی طرف ہے

میلِ تن در کسبِ اسبابِ عَلَف
اور جسم کا میلان چرنے کے اسباب کی طرف ہے

مناسب ہے کہ وہ ان غذاؤں ہی کو نہ دیکھے۔

مور کا سوال کرنے والے ناصح دانا کو جواب دینا

مور نے ناصح سے کہا کہ اے دانا! تُو صرف رنگ و روپ کا عاشق ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ میرے یہ خوبصورت پَر میرے لئے کس قدر مصائب کا سبب ہیں۔ شکاری میرا شکار محض اِن پروں کے لئے ہی تو کرتے ہیں، کوئی جال لگاتا ہے، کوئی تیر مارتا ہے۔ جب مجھ میں اِس قدر مصائب سہنے کی طاقت نہیں ہے تو بہتر یہی ہے کہ میں بدصورت بن جاؤں۔ پروں کو بچانے سے جان کا بچانا بہتر ہے۔ میرے یہ پَر میرے غرور و تکبر کا باعث ہیں اور تکبر سینکڑوں بلاؤں کا سبب بنتا ہے۔

جس طرح مور کے پَر اُس کے مصائب کا سبب ہیں اِسی طرح دنیا کے ہنر، فریب اور دنیا کی عقل بھی انسان کے لئے وبالِ جان ہے۔ گناہ کے کرسکنے اور نہ کرسکنے کا اختیار صرف اُس شخص کے لئے مناسب ہے جس میں تقویٰ ہو اور اگر تقویٰ نہیں ہے تو پھر اُس کے لئے اختیار رکھنا مناسب نہیں ہے۔ پھر وہ اسباب و ذرائع جن سے بُرائی کرنے پر قدرت حاصل ہو سکے انسان کی تباہی کا سبب ہیں۔

میرے غرور کا سبب میرے پَر ہیں اِس لئے میں اِن کو ہی ختم کئے دیتا ہوں۔ جو صابر ہو صرف وہی اِن اسباب کو سمجھ سکتا ہے۔ صابر اپنے صبر کی ڈھال سے اپنا بچاؤ کرسکتا ہے لیکن میں چونکہ ناچنے اور پَروں کی نمائش سے صابر نہیں ہوں اِس لئے میرے پَر میرے دشمن ہیں۔ اگر انسان صابر ہو تو بُرائی کی قدرت ہوتے ہوئے بُرائی نہ کرنا بہت زیادہ افضل ہے۔ میری مثال بچے کی سی ہے جس کے ہاتھ میں تلوار دینا مناسب نہیں ہے۔ وہ اُس کا غلط استعمال کرے گا۔ تلوار ہمیشہ عقل مند کے ہاتھ میں ہی ہونی چاہیے تاکہ وہ تلوار کا صحیح استعمال کرے۔ جب کہ مجھ میں عقلِ سلیم نہیں ہے تو مجھے اپنا ہتھیار یعنی اپنے پَر اپنے پاس نہیں رکھنے چاہئیں۔ اگر انسان میں تلوار سنبھالنے کی طاقت نہیں ہے تو دشمن اُس کی تلوار چھین کر اُس ہی کا خاتمہ کردے گا۔

میں اپنے نفس کو ذلیل کرنے کے لئے اپنے پَر اُکھاڑ رہا ہوں تاکہ اس کے جمال و کمال کے اسباب ہی باقی نہ رہیں۔ پَر اُکھاڑنے میں میری یہ مصلحت ہے تو پھر پَر نوچنا گناہ نہیں ہے۔ اگر مجھ میں پردہ پوشی کی طاقت ہوتی تو پھر میں پَر نہ اُکھاڑتا۔ چونکہ مجھ میں گناہ کے اسباب کے ہوتے ہوئے گناہ سے بچنے کی طاقت نہیں ہے اس لئے میں اسباب ہی کو ختم کررہا ہوں۔ دراصل میں خود اپنا دشمن ہوں۔ جب تک بھی جان میں جان ہے میں بھاگتا رہوں گا لیکن اپنی بُرائی

سے خود بچ جانا بہت مشکل کام ہے۔ دوسرے کی بُرائی سے بھاگنے میں فرار ممکن ہے۔ جب وہ دُور ہو جائے گا تو ٹھہرا جا سکتا ہے لیکن چونکہ میں خود ہی اپنا دشمن ہوں تو میرا کام ہر وقت اِس دشمن سے بھاگتے رہنا ہے۔ نہ میرے لئے ہندوستان میں قرار ممکن ہے نہ خُتن میں کیونکہ میرا دشمن سایہ کی طرح میرے ساتھ ساتھ ہے۔

اُن بیخودوں کا بیان جو اپنے ہُنر اور شر سے محفوظ ہو گئے

وہ بے خود جو اپنے ہنر اور شر سے مطمئن ہیں، جنہوں نے اپنا وجود، وجودِ حق میں اِس طرح فنا کر دیا ہے جس طرح ستارے دن کے وقت سورج کے نور میں فنا ہو جاتے ہیں۔ جب کسی کو فنا فی الحق حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اِسی طرح بے سایہ ہو جاتا ہے جس طرح آنحضور ﷺ تھے۔ چونکہ وہ اپنی صفات، صفاتِ حق میں فنا کر چکے تھے لہٰذا ان صفات کے اعتبار سے حضور ﷺ کو فقر حاصل تھا جو کہ حضور ﷺ کے لئے باعثِ فخر تھا۔ تو پھر آنحضور ﷺ کی شمعِ وجود، شعلۂ شمع کی طرح بے سایہ تھی۔ جب شمع، مجسّم شعلہ بن جائے تو اُس کا سایہ نہیں رہتا ہے۔ شمع کا موم اور سایہ اُس ذات کی شعاعوں میں گم ہو گیا جس نے شمع بنائی تھی۔ شمع ساز نے شمع سے کہا کہ میں نے تجھے فنا کے لئے بنایا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ اِسی لئے میں فنا ہو گئی ہوں۔

یہ خدائی شعاع ہی حقیقی شعاع ہے۔ عارضی اور فانی شعاع حقیقی نہیں ہوتی۔ شمع جب اپنے آپ کو آگ میں فنا کر دیتی ہے تو اُس کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔ یہی حال فنا فی اللہ کا ہے۔ نورِ جان اور نورِ شمع میں یہ فرق ہے کہ شمع کا نورِ شمع کے وجود سے وابستہ ہے۔ نورِ جان اِسی قدر بڑھے گا جس قدر اُس کی شمع یعنی جسم گھٹے گا۔ نورِ جان کی شعاع باقی اور نورِ شمع فانی ہے۔ نورِ جان، ربانی شعلہ سے منور ہے جو ہمیشہ قائم و دائم ہے۔ جس طرح روشنی (نور) ہونے کے وقت آگ کے شعلے سے فنا کا سایہ دُور ہو جاتا ہے اِسی طرح جب جان عین نورِ حق ہو جاتی ہے تو فنا کا سایہ اُس سے دُور ہو جاتا ہے۔ ابر میں چونکہ کثافت ہے اُس کا سایہ ہوتا ہے۔ چاند کی روشنی نورِ خالص ہے اُس کا سایہ نہیں ہوتا۔ جب جان مقام فنا حاصل کر لیتی ہے تو اُس کی کثافت دُور ہو جاتی ہے اور وہ چاند کی روشنی کی طرح بن جاتی ہے۔ اگر رُوح میں کسی وقت کسی قدر خودی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو اُس میں اَبر جیسی کثافت پیدا ہو جاتی ہے۔ نور جاتا رہتا ہے اور اُس نور کا محض ایک خیالی وجود رہ جاتا ہے، جس طرح چاند کا نور اَبر کی وجہ سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ یہی خود پسندی کی صورت میں نورِ جان کی کیفیت ہو جاتی ہے۔ ابر اور گرد کے حجاب کی وجہ سے چاند کی ایک خیالی صورت رہ جاتی ہے۔ یہی حال جسم کے ابر کی وجہ سے نورِ جان کا ہوتا ہے۔

تفرقہ در رُوحِ حیوانی بُود
دُوئی تو حیوانی رُوحوں کا خاصہ ہوتا ہے

نفسِ واحد رُوحِ انسانی بُود
لیکن انسانی رُوح تو ایک ہی جان ہے

یہ اللہ کا کرم ہے کہ تن پروروں کو اُس نے اپنا دشمن قرار دیا حالانکہ اُن کے خدا کے دشمن ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اُن کی خدا سے دشمنی متصور نہیں ہوسکتی۔ وہ تو دراصل مومنین کے دشمن ہیں۔ چاند پر گرد وغبار کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ تو محض دیکھنے والوں کی آڑ ہے۔ ابر دیکھنے والوں کا دشمن ہے کیونکہ اُن کی نگاہ سے چاند کو چھپا دیتا ہے۔ یہ ابر ہماری نظر میں ایک خوبصورت چیز کو بدنما بنا دیتا ہے لیکن چاند کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ نے ہمارے دشمن کو اپنا دشمن قرار دے کر ہماری عزت افزائی کی ہے۔

عالم کے تمام تعینات کا وجود وجودِ مطلق کا سایہ اور عکس ہے۔ ابر پر چاند کی روشنی پڑنے سے گو اُسے چاند کی ہمرنگی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ عارضی ہوتی ہے۔ جب قیامت میں صرف ذاتِ باری تعالیٰ باقی رہ جائے گی تب سب کو یقین آ جائے گا کہ دوسری چیزوں کا وجود محض عارضی تھا۔ وہ چیزیں جن سے انسان دنیا میں فائدہ اُٹھاتا ہے دایہ کی طرح ہیں۔ اصل تو ماں ہوتی ہے جو ہمیشہ گود میں رکھتی ہے۔ ذاتِ باری بھی ہمارے لئے مثل ماں کے ہے۔ مظاہر کے ذریعے ظاہر کا جلوہ گویا بالواسطہ ہوسکتا ہے لیکن اگر بلاواسطہ تعلق قائم ہو سکے تو بہتر ہے۔ اگر ذات سے بواسطہ استفادہ کرنا ہی ممکن نظر آئے تو ایسے شیخ کے ذریعے ہونا چاہیے جو باقی باللہ ہو تا کہ وہ حجاب نہ بن سکے۔ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے فانی ہو جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم ہوتے ہیں۔ ایسی شخصیات، بندے اور اللہ کے درمیان پردہ نہیں ہوتیں بلکہ پردے کو چاک کرنے والی ہوتی ہیں۔ شیخ کامل ایسے ابر کی طرح ہوتا ہے جو آسمان کا ہم رنگ ہو چکا ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزہ دکھایا کہ بارش ہو رہی تھی لیکن ابر نظروں سے غائب تھا۔ جب عاشق مکمل صبر اختیار کر لیتا ہے تو اُس کے جسم کی بھی یہی حالت ہو جاتی ہے کہ بظاہر جسم ہوتا ہے لیکن اُس کی جسمانیت نہیں ہوتی۔ مور نے کہا میرے پَر دوسروں کو لطف اندوز کرتے ہیں اور میرے دشمن ہیں۔ دوسروں کے لطف کی خاطر جان قربان کرنا بے وقوفی ہوتی ہے۔ سلامتی چاہتا ہے تو اپنے آپ کو عیب دار بنا لے جیسے حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کر دیا تھا تا کہ ظالموں سے محفوظ رہے۔

اللہ کے سوا ہر چیز یا کھانے والی ہے یا غذا

جو انسان دوسروں کو جال میں پھنساتا ہے وہ خود بھی جال میں پھنستا ہے۔ اس دنیا کی ہر چیز دوسرے کا لقمہ ہے یا کسی کو لقمہ بنانے والی ہے۔ تمام کائنات میں تنازع للبقاء ہے۔ ہر چیز کسی دوسری چیز کو کھاتی ہے۔ پھر کھانے والی چیز کسی دوسری چیز کی غذا بن جاتی ہے۔ ایک چڑیا کیڑے کا شکار کرتی ہے اور اس بات سے غافل ہے کہ باز اُس کے شکار کی فکر میں ہے۔ جو انسان دوسروں کو کھانے والا ہے اُسے اپنے کھانے والے سے بے فکر نہ ہونا چاہیے۔

گفت حق رَشَّ عَلَیۡهِمۡ نُوۡرَهٗ	مُفترِق ہرگز نہ گردد نورِ اُو
اللہ نے فرمایا "اپنا نور اُن پر چھڑک دیا ہے"	اُس کا نور متعدد نہیں، عین واحد ہوتا ہے

خود اُسے کھانے والا اگر چہ اُسے نظر نہیں آتا لیکن عقل کی آنکھ سے دیکھے تو سمجھ میں آجائے گا۔ پرندہ کیڑے کو خوراک بنانے کو تیار ہے تو بلی اُسے کھانے کو تیار ہے۔ چور اپنی دُھن میں اِس قدر منہمک ہے کہ اپنے دشمن سے بے خبر ہے۔ گھاس پانی کو ہضم کرتی ہے تو حیوان کا معدہ اُسے ہضم کر ڈالتا ہے۔

اللہ کے علاوہ ہر چیز دوسرے کو فنا کرتی ہے اور اُسے کوئی دوسری چیز فنا کر ڈالتی ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ وہ دوسروں کو غذا عطا کرتا ہے اور خود غذا سے بے نیاز ہے۔ دنیا کی کوئی چیز لگنے جانے سے محفوظ نہیں۔ فانی چیزوں کا اپنی فنا سے بے فکر رہنا بڑی مصیبت کی بات ہے۔ اِس معاملے میں غیر فانی اللہ کی جانب رجوع ضروری ہے۔

یہ بات صرف مادیات ہی پر لاگو نہیں ہے بلکہ ایک خیال دوسرے خیال کو کھا جاتا ہے۔ انسان وساوس اور خیالات سے کسی طرح نجات نہیں پاتا۔ اگر انسان خیالات کو ختم کر کے سو بھی جاتا ہے تو وہ خیالات اُن شہد کی مکھیوں کی طرح باقی رہتے ہیں جو کسی غوطہ خور کی فکر میں باہر اُڑ رہی ہوں تاکہ اُس کے پانی سے باہر آنے پر اُس کو چمٹ جائیں۔ انسان ہمیشہ خیالات کی خلش میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک خیال اُسے اپنی جانب کھینچتا ہے تو دوسرا خیال اپنی جانب۔ انسانوں کو کھانے والی چیزوں میں سے خیالات کمتر درجہ کی چیز ہے۔ جب اُن کا یہ حال ہے تو بڑی چیزوں کی حالت خدا کو ہی معلوم ہے۔

انسان کو اُن تمام تباہ کُن چیزوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر تم اپنا رابطہ براہِ راست اللہ سے قائم نہیں کر سکتے ہو تو کسی برگزیدہ شیخ کو واسطہ بنالو۔ اپنا ہاتھ صاحب نسبت شیخ کے ہاتھ میں پکڑا دو کیونکہ اُس کے ہاتھ کو اللہ کی دستگیری حاصل ہے۔ تیری عقل بچگانہ عادت رکھتی ہے کیونکہ وہ پوشیدہ نفس کے پڑوس میں رہتی ہے۔ تُو اپنی عقل کو شیخ کی عقل سے وابستہ کر دے۔ وہ تیری بچگانہ عادتیں چھڑا دے گا۔ چونکہ جب تُو شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے گا تو وہ تجھے برباد ہونے والی چیزوں سے بچا دے گا۔ جب تُو شیخ کی ہدایت کا پابند بنے گا تو تب تجھے تجربہ ہوگا۔ شیخِ وقت کو نبی ﷺ کا پَر تَو حاصل ہوتا ہے۔ بیعتِ رضوان کے موقع پر جب آنحضور ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ شیخ سے بیعت کرنے کے بعد تجھے بھی ویسی ہی فضیلت حاصل ہو جائے گی جیسی بیعتِ رضوان والوں کو حاصل ہوئی تھی۔ تُو سونے کی طرح خالص بن جائے گا۔ یہ جہان اور وہ جہان دونوں تمہارے ساتھ ہوں گے کیونکہ آنحضور ﷺ کی حدیث ہے کہ ''انسان اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے'' یہ حکم دنیا اور آخرت دونوں کے لئے ہے۔

دنیا میں اپنے سے کمزوروں پر ظلم کرنے والوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ کوئی نہ کوئی اُس سے بھی طاقتور ضرور ہے۔

چُوں نباشد نُورِ دِل، دِل نیست آں
اگر دل میں نور نہ ہو تو وہ دل ہی نہیں

چُوں نباشد رُوح جُز گِل نیست آں
اور اگر رُوح بیدار نہ ہو تو انسان مٹی کے سوا کچھ نہیں

سورۃ اللّہب میں ابولہب کی بیوی کے گلے کی رسی کو حرص اور حسد کی رسّی سمجھ۔ اِس رسی کو توڑ دے۔ اِس جال سے جُدائی ضروری ہے اور تیرا یہ جال خود تیرے پَروں پر چپکا ہوا ہے۔ ہر انسان کو غور کرنا چاہیے کہ وہ مظلوم ہے یا ظالم کیونکہ وہ خود شکاری بھی ہے اور شکار بھی۔ انسان کی شکاری پن کی عادت اُس کو خود شکار بن جانے سے غافل بنائے ہوئے ہے۔ وہ دوسروں کا دل چُراتا ہے اور خود اُس کا دل چوری ہو چکا ہے۔ انسان کو اللہ کے انتقام سے ایسا غافل نہ ہونا چاہیے کہ اُس کے سامنے غفلت کی ایسی دیوار ہو جو کھلے ہوئے دشمن کو بھی نہ دیکھنے دے۔ چڑیا بھی اپنے پھنسنے کے خوف سے اِدھر اُدھر کو دیکھ لیتی ہے۔ تُو چڑیا سے کم نہ بن۔

انسان کو پچھلے بدکاروں کے انجام اور سامنے سے گزرتے ہوئے دوستوں کی موت کو دیکھ لینا چاہیے۔ اللہ نے پہلے بدکاروں کو بغیر کسی ظاہری آلے کے ہلاک کر دیا۔ تُجھے بھی یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بغیر ظاہری ہاتھ کے سزا دیتا ہے۔ منکرِ خدا بھی سزا کے وقت خدا کا اقرار کر لیتا ہے۔ جو پہلے اللہ کو اپنے سے بہت دُور سمجھتا تھا عذاب کے وقت اُس کو "یَا قَرِیْبُ" کہہ کر پکارتا ہے۔ خدا کے منکروں کو انجام کار حسرت اُٹھانا پڑے گی۔ قرآن میں پڑھ لے اُن لوگوں اور قوموں کے انجام سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ حق تعالیٰ مظلوموں کی فریاد سنتا ہے۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور ظالموں کو تباہ کرنے میں اُس کو کوئی باک نہیں ہے۔ یہ مور کا ناصح کو جواب تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوّے کو مارنا اور اُس کی مذموم صفت کی طرف اشارہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کوّے کو ہلاک کیا تو وہ کونسی انسانی بُری صفت کے ازالے کی طرف اشارہ ہے؟ اے خلیل علیہ السلام! آپ علیہ السلام خود ہی فرما دیں کہ کوّے کو ہلاک کرنے میں آپ کی کیا حکمت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کوّے کی کائیں کائیں کا مطلب ہے کہ وہ اپنی عمر کی درازی کا خواہاں ہے۔ شیطان نے اللہ سے دُعا کی تھی کہ مجھے قیامت تک کی عمر دے دے۔ اُس کے مقابلے میں حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ قبول کرنے کی دُعا کی۔ وہ زندگی جو بغیر دوست کے ہو محض اپنی جان کو گھسنا ہے۔ موت تو دراصل اللہ سے غفلت کا نام ہے۔ موت ہو یا زندگی جو باری تعالیٰ کے ساتھ ہے وہی بہتر ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر آبِ حیات بھی آگ کا کام کرتا ہے۔ شیطان کی درازی عمر کی دُعا بھی اُس کے ملعون ہونے کا اثر تھی۔ خدا سے غیر خدا کو مانگنا عین تباہی کی بات ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ عمر جس میں خدا کی رضا حاصل نہ ہو محض مکاری ہے۔ اچھی زندگی تو وہ ہے جس میں قربِ الٰہی میں جان (رُوح) کی پرورش ہو سکے۔ کوّے کی عمر کی زیادتی کی دُعا تو گوبر کھانے کے لئے ہے۔ اگر وہ گوبر کھانے والا نہ ہوتا تو یہ

دُعا کرتا کہ اے اللہ! مجھے کوے پن سے نجات دے دے۔

مُناجات

اللہ کی قدرت ہے کہ اُس نے مٹی میں سونا پیدا کر دیا۔ مٹی ہی سے اُبوالبشر آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اللہ کا کام خلاّقی اور انسان کا کام بھول چوک ہے۔ اللہ کو قدرت حاصل ہے کہ وہ ہماری بھول کو علم سے بدل دے۔ ہمارے غصّے کو بُردباری سے بدل دے۔ وہ چاہے تو شور زمین سے غلہ اُگا دے۔ وہ چاہے تو گمراہ کو راہبر بنا دے۔ راستہ نہ دیکھے ہوئے کو پیغمبر بنا دے۔ انسان مٹی سے بنا ہے لیکن قدرت نے اُسے دولتِ ایمان سے بہرہ ور بنا دیا ہے۔ گنے میں شکّر پیدا کرنا، شاخ میں پھل لگانا، غلیظ نطفہ سے حُسین معشوق پیدا کر دینا قدرتِ خداوندی ہی کا کام ہے۔ اُس کی قدرت ہے کہ مٹی میں سے پھول اور دل سے خلوص پیدا کر دیتا ہے۔

جو شخص دنیاوی زندگی کو منتہائے کمال سمجھتا ہے اُس کو تو اِبتداء میں ہی موت آجاتی ہے کیونکہ زندگی تو اللہ کے ساتھ ہونے کا نام ہے۔ جو شخص قلبی بصیرت سے آسمان کو دیکھے گا' اُس کو نظر آئے گا کہ وہاں ہر وقت قدرت کا کوئی نہ کوئی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ عالمِ بالا کے تصرّفات میں ایک عجب کیمیا گری ہوتی رہتی ہے اور مختلف تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اُس تبدیلی کی دلیل یہ ہے کہ انسان اِبتداء میں عناصر میں سے ایک عنصر تھا۔ اگر وہ اُسی حالت میں رہتا تو اُسے احسنِ تقویم کا اِرتقائی رُتبہ کیسے ملتا۔ اللہ نے اُس کے پہلے وجود کو بدل کر دوسرا وجود عنایت کر دیا۔ وجود کی تبدیلی کے لاکھوں مرتبے ہیں۔ انسان کی توحید کا تقاضہ ہے کہ وہ تبدیل کرنے والی ذات پر نظر رکھے۔ تبدیلی کے درمیانی واسطوں پر نظر رکھنا انسان کو اُس ذات سے دُور کر دیتا ہے۔

محبوب سے ملاقات میں جس قدر وسائل کا اضافہ ہوتا جاتا ہے ذوقِ وصل میں کمی آتی جاتی ہے۔ اسباب وعلل معلوم کرنے میں وہ حیرت کم ہو جاتی ہے جو انسان کو بارگاہِ خداوندی میں پہنچاتی ہے۔ جب کہ مراتب میں فنا کے بعد اِرتقائی وجود حاصل ہوا ہے تو انسان کو فنا سے نہ گھبرانا چاہیے۔ ہر تبدیلی کے بعد دوسرا وجود پہلے وجود سے بہتر ملا ہے تو پھر انسان کو فنا کی جستجو کرنی چاہیے اور تبدیلی کرنے والے کا شکر گزار رہنا چاہیے۔

انسان کے لاکھوں مراتب ایسے ہیں جو فنا ہو چکے ہیں۔ انسان اپنے جمادی وجود سے نباتی وجود میں منتقل ہو گیا۔ پھر نباتی وجود کے بعد اُسے حیوانی وجود اور پھر عقل کی بنیاد پر اُس کو وہ وجود مل گیا جس میں وہ احکام کا مکلف بنا۔ پھر اُس کا ارتقاء عالمِ اَرواح کی جانب ہوا جو حواسِ خمسہ اور جہاتِ ستہ سے بالاتر ہے۔ اِن مراتبِ وجود کے نشانات اُس وقت تک ہیں جب تک کہ اُس کا وجود، وجودِ مطلق سے وابستہ نہیں ہوا اور جب اُس سمندر میں پہنچ گیا تو پھر اُن وجودات کے

آں حِسے کہ حق براں حِس مُظہرست
وہ حِس جس سے حق محسوس ہوتا ہے

نیست حِسِ ایں جہاں آں دیگرست
اس دُنیا کی حِس نہیں ہے' وہ الگ ہے

نشانات غائب ہو جاتے ہیں۔ اِس مسئلے کو اس طرح سمجھ کہ خشکی کی منازل کے نشانات ہوتے ہیں۔ اُنہیں نشانات کے ذریعے گاؤں، سرائے اور وطن بنتے ہیں لیکن دریا کی منازل کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ دریا کی منزل کی چھت ہوتی ہے نہ دیوار اور نہ وہاں چلنے کے نشانات پیدا ہوتے ہیں۔ عالَم مکان اور عالَم لامکان دونوں منزلوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔

پہلے مراتب کی فنا کے بعد بقاء حاصل ہوتی ہے تو اس جسم کی بقاء سے انسان کو نہ چمٹنا چاہیے۔ جو شخص عمر کی درازی کا متمنی ہے اُس کو اس تبدیلی میں جان کی بازی لگانی چاہیے اور انسان کو تازہ وجود حاصل کرنا چاہیے کیونکہ اُسے ہر مرتبہ پہلے مرتبے سے افضل حاصل ہوا ہے۔ کھجور اپنا پھل دوسروں کو دے دیتی ہے تو اُسے قدرت نیا پھل عطا فرما دیتی ہے۔ اگر پرانا پھل نہ جھڑے تو وہ بوسیدہ اور گندہ ہو جائے گا۔ جس نے نیا وجود حاصل کر لیا ہو وہ پرانے وجود کا خریدار نہ بنے گا کیونکہ وہ ذاتِ حق میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہے۔ اہلِ دنیا چونکہ پرانے وجود سے چمٹا رہنا چاہتے ہیں تو وہ بھی پانی کے پرندوں کی طرح اندھے دلوں کے مالک ہیں جو کہ کھاری پانی کے تالاب سے چمٹے ہوئے ہیں۔ اگر اِس بُری حالت میں تُو عمر کی زیادتی کا خواہاں ہے تو تیری مثال اُس حبشی کی سی ہے جو اپنی سیاہ رنگت پر مطمئن اور خوش ہو۔ اگر کوئی شروع میں خوش رنگ اور پھر سیاہ رُو ہو جائے تو وہ اپنی حالت پر مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اُڑنے والا پرندہ پنجرے میں پھنس جائے تو غم و غصہ میں رہتا ہے۔ پالتو پرندے کو اپنی غلامی کا غم نہیں ہوتا۔ تُو عالَمِ بالا کا آزاد پرندہ ہے۔ دنیا کے پنجرے سے اپنے آپ کو آزاد کر لے۔

فرمانِ نبوی ﷺ تین شخص قابلِ رحم ہوتے ہیں

اچھی حالت کے بعد اگر بُری حالت ہو جائے تو وہ اِنتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے۔

جو شروع میں مفلس ہو وہ اِس قدر قابلِ رحم نہیں ہے جیسا کہ وہ شخص جو مالداری کے بعد مفلس ہو گیا ہو۔ جو شخص پہلے باعزت تھا اور پھر ذلیل ہو گیا ہو وہ زیادہ قابلِ رحم ہے اور وہ عالم جو جاہلوں میں پھنس گیا ہو، بہت زیادہ قابلِ رحم ہوتا ہے۔ ایسے تینوں شخص بہت قابلِ رحم ہوتے ہیں کیونکہ عزت کے بعد ذلت ہونے سے وہی تکلیف ہوتی ہے جو بدن کا کوئی عضو کٹنے سے ہوتی ہے۔ جو شخص ایک بار کسی چیز کی لذت چکھ لیتا ہے اُس کی یاد اُسے ستاتی ہے۔ جس شخص نے سلطنت کا مزہ نہ چکھا ہو وہ سلطانی کی حرص سے محروم ہوتا ہے۔ توبہ وہی کرتا ہے جسے گناہ کا احساس ہوتا ہے اور اگر کسی کو احساس ہو جائے کہ وہ راستہ سے بھٹکا ہوا ہے تو وہی آہ بھی کرتا ہے۔

حس حیواں گر بدیدے آں صُوَر	بایزیدِ وقت بُودے گاؤ وخر
اگر حیوانی حس اُس صُورت کو محسوس کر سکتی	تو ہر گائے یا گدھا وقت کا بایزیدؒ ہوتا

ہرن کے بچے کا گدھوں کے اصطبل میں قیدی ہونا

ہرن کا بچہ آزادی کا لطف اُٹھائے ہوئے تھا۔ ایک شکاری نے اُسے پکڑ کر بیلوں اور گدھوں کے اصطبل میں چھوڑ دیا۔ وہ ایسے ماحول میں پریشان ہوگیا۔ گدھوں کی گھاس اُس کا کھانا نہ تھا۔ وہ نرم و نازک پودے کھانے کا عادی تھا۔ وہ اصطبل میں بھوکا اِدھر اُدھر دوڑتا تھا۔ جس کسی کو اُس کی ضد کے پاس چھوڑ دیا جائے تو اُس سزا کو وہ موت خیال کرتا ہے۔ یہی حال ایک عالم کا جاہلوں میں ہوتا ہے۔ اے بیٹا! اِس جسم کی وجہ سے تُو بھی عذاب میں ہے۔ انسان کا سب سے بڑا عذاب یہی ہے کہ اُسے یعنی رُوح کو غیر جنسی جسم کے پنجرے میں بند کر دیا گیا ہے۔

سُلطان خوارزم شاہ کا سبزوار شہر والوں کو ابوبکر نامی شخص مہیّا کرنے کا حُکم دینا

خوارزم شاہ بادشاہ نے جو کہ خراسان کا حاکم تھا شہر سبزوار کو فتح کر لیا۔ شہر کے باشندے مطیع ہوگئے اور اُنہوں نے امان چاہی۔ اُنہوں نے کہا کہ جو ٹیکس آپ ہم پر لگائیں گے ہم اُسے ادا کر دیا کریں گے۔ سبزوار کے باشندے چونکہ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے تو بادشاہ نے کہا کہ امان کی شرط یہ ہے کہ اپنی آبادی میں سے ابوبکر نامی کوئی شخص لا کر پیش کرو۔ شیعہ چونکہ ابوبکر نام نہیں رکھتے اِس لئے یہ ایک مشکل کام تھا۔ شاہ نے کہا کہ اگر یہ کام نہ کرو گے تو سب کو قتل کرا دوں گا۔ اُن لوگوں نے اشرفیوں کے بورے لا کر سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ قبول کر لیجئے اور ابوبکر نامی شخص کے لانے کی شرط ختم کر دیجئے۔ سبزوار میں کسی ابوبکر کی تلاش ایسی ہی تھی جیسے دریا میں سے کوئی خشک ڈھیلا تلاش کرے۔ اشرفیاں دے کر نجات حاصل کرنے کی اُن لوگوں کی تمنا ایسی ہی تھی جیسا کہ کوئی شخص نماز سے اِس طور پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہے کہ پوری مسجد سرنیوں سے ناپ ڈالے لیکن سجدہ نہ کرے۔ ابوبکر نامی شخص کی تلاش میں سبزوار والوں نے جاسوس چھوڑ دیئے۔ تین دن کی دوڑ دھوپ کے بعد اُنہوں نے ایک لاغر سا ابوبکر ڈھونڈ لیا جو کہ مسافر تھا اور مرض کی وجہ سے وہاں پڑا رہ گیا تھا۔ اُن لوگوں کے لئے یہ شخص ایک موتی کی طرح تھا جو بے قدروں میں پڑا ہو۔ وہ ایک اُجڑے ہوئے کھنڈر میں سو رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے کہا کہ اُٹھ، کیونکہ بادشاہ تیرا طالب ہے، وہ اپنی شرط کے مطابق ہمیں معاف کر دے گا اور ہم قتل ہونے سے بچ جائیں گے۔ وہ بولا: اگر مجھ میں چلنے کی طاقت ہوتی تو میں اپنی منزل کی طرف روانہ نہ ہو جاتا، میں تم لوگوں میں کیوں ٹھہرتا۔ اُن لوگوں نے ابوبکر کو تابوت میں ڈال کر کاندھوں پر سوار کر لیا اور بادشاہ کی طرف دوڑے تاکہ اُسے دکھا سکیں۔

اے بسا بیدار چشم و خفتہ دل	خود چہ بیند چشم اہلِ آب و گِل
بہت سے بیدار آنکھ والے سوئے ہوئے دل والے ہیں	یہ مٹی اور پانی سے بنی ہوئی آنکھ کیا دیکھ سکتی ہے

یہ دنیا بھی سبزوار ہے اور یہاں بھی مردِ حق اسی طرح بے یار و مددگار رہتا ہے جس طرح ابوبکر نامی شخص سبزوار میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مثال خوارزم شاہ سمجھو۔ وہ بھی لوگوں سے ایک اچھے دل کا مطالبہ کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور کاموں کو دیکھتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ خلق پر کسی صاحب دل کی وجہ سے توجہ فرماتا ہے۔ ہر شخص ایسا صاحبِ دل نہیں ہے جس کی وجہ سے مخلوق خدا کا منظورِ نظر بنے۔ اللہ تعالیٰ اُس دل کو پسند کرتا ہے جس دل میں اس قدر وسعت ہو کہ سات آسمانوں جیسے سو اُس میں سما جائیں۔ عام دلوں میں ایسے دل کی تلاش ایسی ہی ہے جیسا کہ سبزوار میں ابوبکر نامی کی تلاش۔ صاحبِ دل شش جہات سے مُصَفّٰی ہوتا ہے۔ اس کی مثال شش رو آئینہ کی سی ہوتی ہے اور خدا ہر طرف سے اُسے دیکھتا ہے۔ جو شخص لامکانی بن چکا ہو وہ غیر اللہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ اگر کوئی صاحبِ دل کسی کی طرف نظر کرتا ہے تو خدا کے لئے کرتا ہے اور اُس کا ردو قبول سب خدا کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ اُس صاحبِ دل کے جملہ اَحوال خدا کے لئے ہوتے ہیں لہٰذا وہ خدا کا برگزیدہ ہوتا ہے۔ یہ صاحبِ دل خلیفۃ اللہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی جملہ عطا اُس کے واسطے سے ہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جملہ عطیات اُس کے ہاتھوں مخلوق کو پہنچاتا ہے۔ اُس کے ہاتھ کا خدا سے جو اتصال ہے اس کا بیان ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ سونے چاندی سے بے نیاز ہے وہ صرف اور صرف دل کا اخلاص قبول کرتا ہے۔ جس سے وہ صاحبِ دل راضی ہوتا ہے اُس سے خدا راضی ہوتا ہے اور جس سے وہ ناراض ہوتا ہے خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے۔ وہ صاحبِ دل ایسا ہی مربی ہے جس طرح ماں مربی ہوتی ہے۔ وہ صاحبِ دل مخلوق کے لئے ماں باپ کی طرح ہوتا ہے۔ مصیبت تو یہی ہے اے دوست! کہ تُو خدا کے سامنے اپنا وہ دل پیش کرتا ہے جو ایک دمڑی کا بھی نہیں ہے۔ اُس صاحبِ دل پر عالم کی بقاء کا دار و مدار ہوتا ہے اور ایسا ہی دل آدم علیہ السلام کی جان کی جان کا محبوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے دل کا منتظر ہے جو نور اور نیکی سے بھرا ہوا ہو۔ دنیا میں ایسے دل کا ملنا ایسا ہی دشوار ہے جس طرح سبزوار میں ابوبکر نامی شخص کا ملنا۔ اگر ایسا دل تیرے پاس نہیں ہے تو اپنا مردہ دل ہی بارگاہ میں پیش کر دے جس طرح سبزوار والوں نے بیمار اور لاغر ابوبکر نامی شخص کو پیش کر دیا تھا۔ وہ شاہ تم سے پوچھے گا کہ کیا یہاں کوئی قبرستان ہے کہ تُو مردہ دل کو یہاں لے آیا ہے۔ جا اور وہ دل لا جس کی وجہ سے عالم کی بقاء ہے۔ تم اس کے جواب میں کہنا کہ دنیا تاریکی ہے اور دل نور ہے۔ تاریکی میں نور کہاں ہوتا ہے۔ ایسے دل سے تو دنیا کو روزِ ازل ہی سے دشمنی ہے۔ اگر کوئی دنیا دار ایسے صاحبِ دل کے ساتھ نرمی برتتا ہے تو وہ منافقت پر مبنی ہوتی ہے اور یا وہ اُس سے کسی دنیاوی فائدے کا اُمیدوار ہوتا ہے۔ اگر دنیا دار صاحبِ دل کی ہاں میں ہاں

واں کہ دِل بیدار دارد چشمِ سَر | گر بخسپد برکُشاید صد بصر
جس کا دِل بیدار ہے اور سَر میں آنکھ ہے | اگر سو بھی جائے تو سَو بینائیوں والا ہوتا ہے

ملاتا ہے تو محض اس لئے کہ وہ اُسے زیادہ نصیحت نہ کرے، اس لئے کہ ایک دنیا دار میں لاکھوں مکاریاں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ منافقانہ حاضر ہوئے ہیں اور مومنِ کامل بن گئے ہیں۔ صاحبِ دل اپنی شان وشوکت کی وجہ سے عیب دار کا بھی خریدار بن جاتا ہے۔

جب تجھے معلوم ہوگیا کہ صاحبِ دل معیوب کو بھی خرید لیتا ہے تو اب کسی صاحبِ دل کی تلاش کرلے، اگر تُو خدا کا دشمن نہیں ہے۔ دنیا میں جس شخص کی مکاری اور چالاکی تجھے پسند آئے، وہ تیرا دوست تو ہوسکتا ہے لیکن خدا کا دوست نہیں ہے۔ تُو اُسے نبی یا ولی سمجھتا ہے کیونکہ وہ تیری خواہش کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ تیرے لئے ضروری ہے کہ نفسانی خواہشات کو ترک کردے تاکہ تُو خدائی بُو سونگھنے کے لائق ہوسکے۔ اگر تُو نفس کی پیروی کرتا رہے گا تو مُشک وعنبر کو نہ پہچان سکے گا۔ تیرا دماغ نفسانی خواہشات کی وجہ سے خدائی خوشبو سے ناآشنا ہے۔ تُو کوے کی طرح نجاست پر عاشق ہے۔ اس بات کی حد نہیں ہے اور ہمارا ہرن اصطبل میں جابجا بھاگتا پھر رہا ہے۔

گدھوں کے اصطبل میں ہرن کا بقیہ قصّہ

وہ عمدہ ناف والا نازک ہرن کئی دن تک گدھوں کے اصطبل میں رہا۔ وہ اس قدر بے چین تھا جیسے مچھلی خشکی پر یا ایک ڈبیا میں مینگنی اور مُشک عذاب میں ہوتے ہیں۔ ایک گدھے نے ہرن سے کہا کہ تیرا مزاج تو امیرانہ اور شاہانہ ہے اور تُو بالکل خاموش ہے۔ دوسرا گدھا بولا: اس کی بات تو موتی ہے، یہ اُسے سستا کب فروخت کرے گا۔ تیسرا بولا: اگر تجھ میں اس قدر نازک مزاجی ہے تو شاہانہ تخت پر تکیہ لگا کر کیوں نہیں بیٹھتا۔ ایک گدھے کو بدہضمی ہوگئی تھی اُس نے اپنی بچی ہوئی گھاس ہرن کو کھانے کو دے دی۔ اُس نے سر کی جنبش سے انکار کا اشارہ کیا۔ اُس گدھے نے کہا کہ تُو نخرے کر رہا ہے یا غرور کی وجہ سے نہیں کھاتا۔ غرض گدھے ہر طرح سے اُسے پریشان کر رہے تھے۔

ہرن نے کہا یہ گھاس تُو کھا کیونکہ یہ تیری خوراک ہے۔ اگرچہ میں تقدیرِ خداوندی سے اس عذاب میں پھنس گیا ہوں لیکن میرا مزاج کہاں بدل سکتا ہے۔ اگر میں اس وقت فقیر ہوں تو بھی اپنی آبرو نہیں بیچ سکتا۔ شریف آدمی پرانے لباس میں بھی نیا ہی رہتا ہے۔ پردیس میں چونکہ ناواقف لوگ ہوتے ہیں اِس لئے شیخی بگھارنے کا بہت موقع ملتا ہے۔

ہرن بولا: میرا نافہ میری عظمت پر گواہ ہے، جو ہر خوشبو سے بڑھا ہوا ہے۔ لیکن اس نافہ کی قدر تو اُس کو ہے جو صاحبِ دماغ ہو۔ گوبر سونگھنے والا گدھا اس خوشبو سے واقف نہیں ہے۔ گدھوں کو مُشک کیسے سنگھایا جاسکتا ہے؟ صحیح خوشبو صاف دماغ والا ہی سونگھ سکتا ہے۔

بادہ از ما مست شُد نے ما ازو
شراب، ہم سے مست ہُوئی نہ کہ ہم اُس سے

قالب از ما ہست شُد نے ما ازو
جسم، ہماری وجہ سے پیدا ہُوا ہے نہ کہ ہم اُس کی وجہ سے

اِسی لئے آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام نا اہلوں کے لئے اجنبی ہے۔ اچھے مسلمان سے اُس کے رشتہ دار بھی بھاگتے ہیں اگرچہ ملائکہ اُس سے مانوس ہیں۔ عوام اللہ کے خاص بندوں کو اپنے جیسا ہی سمجھتے ہیں کیونکہ اُن کی خوشبو سے ناواقف ہیں۔ مردِ خدا عوام میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بیلوں میں شیر۔ اُس کو دُور ہی سے دیکھ لے زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کر۔ اگر تُو اُس کے حال اور اُحوال کی زیادہ جستجو کرتا ہے تو پھر اپنے جسم سے ہاتھ دھو لے۔ وہ تیری حیوانی خصلت کو اپنی باطنی توجہ سے مٹا دے گا۔ تُو پہلے بیل تھا اب تُو بھی شیر بن جائے گا۔ اگر تجھے اپنا بیل پن پسند ہے تو اس شیر کی جستجو نہ کر۔

وہ سات دُبلی گائیں جو موٹی گائیوں کو کھا گئیں اُن کو شیر ہی سمجھ

سُورۂ یُوسُف میں حضرت یُوسُف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتائی اُس کا بیان

عزیزِ مصر نے خواب میں دیکھا کہ سات لاغر گائیں سات موٹی تازی گائیوں کو کھا گئیں۔ وہ سات دبلی گائیں دراصل سات شیر تھے۔ بہت سے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم ایسے ہی دبلے نظر آتے ہیں لیکن وہ مرید کی حیوانی صفات کو پھاڑ ڈالتے ہیں۔ وہ حیوانی صفات اُس سے دُور ہو جاتی ہیں خواہ اُن کے ازالے سے اُس کو تکلیف پہنچے۔ وہ ایک درد ہوتا ہے لیکن بہت سے دردوں سے نجات دلا دیتا ہے اور سفلی انسان کو علوی بنا دیتا ہے۔ اب یہ معمولی انسان اُس شیخ کے تصرف سے شاہ بن جاتا ہے اور بدن کی مردگی سے دل کی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر تجھے شیخ سے عقیدت ہے تو مجاہدے کر کے جسم کی قربانی اُس کی خدمت میں پیش کر دے۔ اگر تُو جسم کی قربانی پیش نہیں کرتا ہے تو گویا تُو شیخ کی مہمانی ادا نہیں کر رہا۔ آخرکار تیرا جسم فنا ہو گا تو پھر تُو شرمندہ ہو گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرغ کو ذبح کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کو شہوت پرست نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں نے خدائی حکم سے مرغ کو ذبح کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا: اِس خدائی حکم میں کیا حکمت تھی؟ فرمایا: مرغ شہوت پرست پرندہ ہے۔ چونکہ نسلِ انسانی کی بقاء کے لئے شہوت ضروری تھی ورنہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے آپ کو خصی بنا لیتے۔ شیطان نے التجا کی تھی، اے اللہ! مجھے انسان کو پھانسنے کے لئے مضبوط جال عنایت کر دے۔ اللہ نے اُسے سونا چاندی جواہر وغیرہ دکھائے لیکن اُس نے کہا: اِس سے بھی بڑھیا جال چاہتا ہوں۔ اُس کے سامنے عمدہ کھانے اور فاخرہ لباس دیئے لیکن شیطان نے اور مضبوط جال مانگا۔ جسے ہر کس و ناکس نہ توڑ سکے اور مردانِ خدا غیروں سے ممتاز ہو جائیں۔ اللہ نے شراب اور ستار دکھائے تو وہ کچھ کچھ راضی ہو کر مسکرایا۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ مُضِل کو پکارا کہ فتنہ کے سمندر سے گرد اُڑا دے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کے مظہرِ اتم تھے اور انہوں

بادہ از ما مست شُد نے ما ازو	قالب از ما ہست شُد نے ما ازو
شراب، ہم سے مست ہوئی نہ کہ ہم اُس سے	جسم، ہماری وجہ سے پیدا ہوا ہے نہ کہ ہم اُس کی وجہ سے

نے کمال دکھایا کہ دریائے نیل میں گرد کے پردے آویزاں کر دیئے تو مجھے بھی صفتِ مُضِل کا مظہرِ اتم ہونا چاہیے۔ اب اللہ نے عورتوں کے حُسن کا فتنہ شیطان کو دکھایا تو وہ خوشی سے ناچنے لگا کہ اب میرا منشا پورا ہو گیا۔ اب حسینوں کی اداؤں نے دنیا کو دیوانہ بنا رکھا ہے۔

اِنسان کی اچھی اور کمتر ساخت کی طرف لوٹانے، عُمر کی درازی اور پھر اوندھا کر دیتے ہیں' کی تفسیر

حسینوں کے زوال پذیر حُسن کی یہ کیفیت ہے کہ اُس کے شباب کے وقت تمام مخلوق اُن کو سجدہ کرتی ہے اور حُسن ڈھل جانے کے بعد اُس کی حالت حضرت آدم علیہ السلام کی سی ہو جاتی ہے جو جنت سے محروم کر دیئے گئے تھے۔ پھر ہر حَسین آہیں بھرتا ہے کہ ہائے کمال کے بعد ایسا زوال۔ اُسے جواب ملتا ہے کہ یہ زیادہ دیر تک جینے کی سزا ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تھے اِسی طرح حَسین کو جبرائیل علیہ السلام حسینوں کے زمرے سے اور حسن کی دولت سے باہر نکال دیتے ہیں۔ وہ حَسین زبانِ حال سے پوچھتا ہے کہ ایسی عزت کے بعد ذلت کیوں ہوئی؟ جبرائیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ وہ حُسن تو محض عطا تھی اور اب یہ ذلت انصاف کا تقاضہ ہے۔ حَسین کہے گا پہلے تُو مجھے سجدے کرتا تھا اب حسن کی جنت سے باہر کیوں نکالتا ہے؟ میں حُسن کے لباس سے محروم کیا جا رہا ہوں۔ جیسا کہ درخت خزاں میں پتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ پہلے جو شخص بڑے بڑے پہلوانوں کو اپنی بغل میں دبا لیتا تھا اب اُس کی یہ حالت ہے کہ لوگ اُسے بغل میں ہاتھ کا سہارا نہ دیں تو وہ چل بھی نہیں سکتا اور بڑھاپے کے آثار موت کا پیغام دیتے ہیں۔

آیت "مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اُن کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے" کی تفسیر

جس شخص کو نورِ حق حاصل ہو گیا ہو بڑھاپا اُس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ ایسے انسان کے اعضاء کی سُستی مَست کے اعضاء کی سُستی کی طرح ہے جو رستم جیسے پہلوان کے لئے بھی باعثِ رشک ہے۔ ایسا انسان مرتا ہے تو اس کے رگ و پے میں خدا سے ملنے کا شوق بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جو شخص اِس نورِ خداوندی سے محروم ہے اُس کی مثال بے پھل کے باغ کی سی ہے جسے خزاں تہ و بالا کر دے۔ باغ کی ایسی حالت اُس کی خود بینی کی وجہ سے ہوئی جو کہ بہت بڑا جرم ہے۔ جس معشوق کے عشق میں عالم روتا تھا اب وہی عالم اُس کو اپنے پاس سے بھگاتا ہے۔ اُس نے کیا جرم کیا ہے؟ اُس کا جرم یہ ہے کہ اُس نے حُسن کو اپنی ملکیت سمجھا۔ ہم اُس سے حُسن کو اس لئے واپس لے لیتے ہیں تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ حُسن دراصل ہماری ملکیت

می رہند ارواح ہر شب زیں قفس
رُوحیں ہر شب اس پنجرے (جسم) سے چھوٹ جاتی ہیں

فارغاں بے حاکم و محکوم کس
(جیسے) فارغ البال بغیر افسری اور ماتحتی کے ہوں

ہے اور دنیا کے حسین ہمارے خوشہ چین ہیں تاکہ حسین یہ سمجھ جائیں کہ یہ حُسن کا لباس مانگا ہوا اور باری تعالیٰ کی ایک تجلی تھی۔ تمام خوبیاں تو دراصل اللہ کی ہیں اور یہ کائنات تو اُس کا مظہر ہے۔

کائنات میں موجود سب خوبیاں عارضی ہیں اور یہ پھر اپنے مرکز کی طرف واپس ہو جاتی ہیں۔ کائنات میں اُن کا ظہور ایسا ہی ہے جیسے سہ رنگے آئینے میں سورج کی روشنی نظر آئے۔ جس طرح سورج کا نور ایک ہی رنگ کا ہے اور مختلف شیشوں میں مختلف نظر آتا ہے اسی طرح اُس کی صفات ہیں۔ جب وہ مظاہر باقی نہیں رہتے تو صرف یک رنگا نور باقی رہ جاتا ہے۔ انسان کو صفاتِ خداوندی کا بغیر مظاہر کے مُشاہدہ کرنا چاہیے تاکہ کائنات کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ اُس نور کا مُشاہدہ کر سکے۔ تُو نے مظاہر کے ذریعے اُس کی صفات کے مُشاہدے کی عادت ڈال رکھی ہے۔ حضرتِ حق تعالیٰ اپنی صفت حُسن کو واپس لے لیتے ہیں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ یہ حُسن تیرے پاس عارضی تھا۔ اگر تُو اِس نعمت کے زوال پر بھی اللہ کا شکریہ ادا کرے گا تو وہ تجھے اِس سے سینکڑوں گنا زیادہ حُسن عطا فرما دے گا۔ اگر حُسن کے جانے پر تُو نے شکر ادا نہ کیا تو پھر خون کے آنسو بہاتا رہ۔ عوض تو شکر گزار کو ملتا ہے ناشکرے کافر کو نہیں ملتا، کافروں کے اعمال رائیگاں جاتے ہیں۔ اللہ نے مومنوں کے دلوں کی اِصلاح کر دی ہے۔ ناشکرے سے حُسن اور خوبی اِس طرح زائل ہوتی ہے کہ پھر اُس کا نشان بھی نہیں ملتا۔ پھر کافر کو اپنے اوصافِ حسنہ یاد بھی نہیں آتے ہیں۔

دولتِ رفتہ اور دولتِ آئندہ صرف شکر گزاروں اور وفاداروں ہی کا حصہ ہے۔ قرآن میں ہے ''اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو'' اِس حکم پر عمل کر اللہ تجھے بڑا بدلہ دے گا۔ انسان اپنی ضروریات کو کم کر کے دوسروں پر خرچ کرتا ہے تب آخرت میں اُس کا بدلہ ملتا ہے۔ جو شخص دوسروں پر خرچ کرے گا' دولتِ آخرت اُس کے ہاتھ آئے گی۔ اللہ بدلے دے کر اُن کو خوش کر دے گا اور جو کچھ اُنہوں نے خرچ کیا ہوگا اُس کو بڑھا کر واپس کرے گا۔ اللہ موت کو حکم دے گا کہ اِن شکر گزاروں سے تُو نے جو کچھ چھینا ہے انکو واپس کر دے۔ موت اُن کو دنیاوی مال دینا چاہے گی' وہ اُسے قبول نہ کریں گے کیونکہ اب اُن کو اُخروی مالداری میسر آگئی ہے۔ وہ کہہ دیں گے کہ ہم صوفی ہیں۔ ہم اپنا سب کچھ لٹا چکے ہیں۔ اب ہم اُس کو واپس نہیں لیں گے۔ اب اللہ نے ہمیں وہ بدلہ عطا فرما دیا ہے جس کے بعد ہمیں دنیا کی حرص و حاجت نہیں رہی ہے۔ دنیاوی چیزیں شور زدہ پانی کی طرح ہیں اور آخرت کی نعمتیں چشمہ کوثر ہیں۔ ایسا انسان دنیا کو کہہ دیتا ہے کہ ہم شہیدانِ راہِ خدا ہیں اور تیری جملہ عنایتوں کو تیرے منہ پر مارتے ہیں تاکہ دنیا یہ سمجھ لے کہ اللہ کے کچھ بندے وہ بھی ہیں جو دنیا کو پرِ کاہ سمجھتے ہیں۔ یہ مردانِ خدا دنیا کی مونچھیں اُکھاڑ پھینکتے ہیں اور ہر معاملے میں اللہ کی مدد کے قلعے پر جھنڈا گاڑ

می رہند ارواح ہر شب زیں قفس رُوحیں ہر شب اِس پنجرے (جسم) سے چھوٹ جاتی ہیں	فارغاں بے حاکم و محکوم کس (جیسے) فارغ البال بغیر افسری اور ماتحتی کے ہوں

دیتے ہیں۔ یہ فنا کے بعد بقاء کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں اور از سرِ نو زندہ ہو جاتے ہیں۔ اُن کی جملہ مشکلات فضلِ خداوندی سے کھل جاتی ہیں اور اُن کا کافرِ نفس لبمل ہو جاتا ہے۔ فنا سے جو نااُمیدی پیدا ہوئی تھی وہ سب اُمید سے بدل گئی اور اُن کے لئے یہ دنیا پاک جگہ ہو گئی۔ اس فنا کے بعد اُن کو ابدی زندگی نصیب ہو گی۔ عالمِ غیب میں ایسے سورج ہیں کہ دنیا کا سورج اُن کے مقابلے میں ستارہ لگتا ہے۔

آپ پوچھیں گے نیستی میں ہستی چھپی ہوئی کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ نیستی اور ہستی دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایک دوسری میں کیسے چھپی ہوئی ہو سکتی ہیں؟ جواب یہ ہے کہ یہ ایسے ممکن ہے جیسے کہ نطفے سے جو کہ غلاظت ہے اور نیستی ہے اُس سے زندہ بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام عابدین کی اُمیدیں غیب اور عدم سے وابستہ ہیں۔ کاشتکار جس نے بیج بو کر اپنی کوٹھی خالی کر لی ہے وہ اُسی پیداوار پر خوش ہے جو کہ ابھی عدم میں ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آئے گی۔ اِس لئے ہر انسان کو چاہیے کہ جو کچھ اُس کے لئے پردۂ غیب میں ہے وہ اُس کا منتظر رہے تاکہ وہ سمجھ لے کہ نیکی کرنے سے لامحالہ آرام میسر آئے گا۔ پردۂ غیب کی چیزوں کو ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ورنہ وہ موجود پرستوں کو غیب یعنی آخرت پرست بنا دیتا۔ حضرت حق تعالیٰ کی کارگاہ عدم ہے جس سے وہ عطایا عنایت کرتا رہتا ہے۔

درحقیقت دنیا غیر موجود ہے اور موجود نظر آتی ہے اور آخرت حقیقتاً موجود ہے لیکن نظر نہیں آتی جیسا کہ ہوا کو غبار وغیرہ نے پوشیدہ کر رکھا ہے جو غیر واقعی چیزیں ہیں۔ تو جو معدُوم ہے وہ نظر آ رہا ہے اور جو موجود ہے وہ مخفی ہے۔ گرد کا بگولا اُٹھتا ہے تو خاک نظر آتی ہے لیکن اصل محرک یعنی ہوا نظر نہیں آتی۔ ہوا نظر نہیں آتی لیکن اُس کا وجود اِس لئے سمجھ میں آ جاتا ہے کہ خاک میں اَز خود اُڑنے کی طاقت نہیں ہے۔ انسان کے افکار پوشیدہ ہیں اور اُس کی گفتگو جس کا وجود افکار کے وجود کا پرتَو ہے وہ ظاہر ہے۔ یہی حال شئونات اور وجودِ مطلق کا ہے جو کہ حقیقت ہے وہ بظاہر غیر موجود ہیں اور موجود نظر آتی ہیں۔ ہم نے اپنی کم عقلی کی وجہ سے معدُوم کو موجود اور موجود کو معدُوم سمجھ رکھا ہے۔ یہ ہماری آنکھ کا قصور ہے کہ وہ غیر موجود کو موجود دکھا رہی ہے۔ جس آنکھ میں نیند ہو وہ محض خیالی اور غیر واقعی چیزوں کو موجود دکھا دیتی ہے۔ عالمِ شہود جو کہ معدُوم ہے موجود نظر آتا ہے اور عالمِ غیب ہماری جسمانی آنکھوں سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔

یہ حضرت حق تعالیٰ کی سحر آفرینی ہے کہ منکر غیر حقیقی چیز کو حقیقی سمجھتے ہیں۔ دنیا میں بھی ایسے جادوگر ہوتے ہیں جو چاندنی کی چاندنی کو کپڑا بنا کر فروخت کر دیتے ہیں۔ دنیا کے بارے میں ہماری بھی یہی حالت ہے کہ ہم چاندنی کو کپڑا سمجھ رہے ہیں۔ دنیادار کی عمر اسی دھوکے میں برباد ہو جاتی ہے۔ عمر ختم ہو جاتی ہے اور وہ کچھ حاصل نہیں کر پاتا۔ دنیا میں

اندراں کارے کہ مَیل ستت بداں
جس کام میں تیرا میلان ہوتا ہے اُس میں

قُدرتِ خود را ہمی بینی عیاں
تُو اپنی قُدرت کو کُھلا دیکھتا ہے

انسان کے تین ساتھی ہیں۔ دوست، مال اور نیک عمل، ان میں سے دو مرتے وقت ساتھ چھوڑ دیں گے۔ نیک عمل وفاداری کرے گا اور ساتھ دے گا۔ موت کے وقت دوست محض قبر تک ساتھ دیتے ہیں اور واپس ہو جاتے ہیں۔ نیک اعمال انسان کا قبر میں بھی ساتھ دیتے ہیں۔

حدیث "ایک ساتھی ضروری ہے جو تیرے ساتھ زندہ دفن ہوگا اور تو مُردہ اُس کے ساتھ دفن ہوگا اگر وہ شریف ہے تو تیری عزّت کرے گا اور اگر کمینہ ہے تو تجھے چھوڑ بھاگے گا اور یہ ساتھی تیرا عمل ہے پس جس قدر جلد ممکن ہو تُو اپنی اِصلاح کرلے"

انسان کے نیک اعمال سے زیادہ بہتر کوئی سفر کا ساتھی نہیں ہے۔ نیک عمل انسان کا یار بنے گا اور بد عمل اُس کے لئے سانپ اور بچھو بنے گا۔ یہ عمل اور ہنر بغیر اُستاد کے حاصل نہیں ہوتا ہے لہٰذا کسی کو شیخ بنالے۔ ہر چیز کا پہلے علم حاصل کیا جاتا ہے پھر اُس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اگر تم نصیحت کرنے والوں کو دیکھو تو خاموشی سے سنو۔ کچھ حاصل کرنے کی طرف بڑھو اور تکبر نہ کرو۔ بڑائی کا مدار لباس وغیرہ پر نہیں ہے۔ اِس لئے تعلیم حاصل کرنے میں ذلت اور مسکینیت کا لباس اختیار کرنا چاہیے۔ یاد رکھو! علمِ کتابی زبانی سکھایا جاتا ہے اور ہنر عملی طور پر سکھایا جاتا ہے اور یقین کرلو کہ ذاتِ باری تک پہنچنے کے لئے بھی ہنر، علم کے مقابلے میں زیادہ درکار ہے۔ اُس ہنر کو سیکھنے کے لئے فقر کی ضرورت ہوتی ہے جو محض شیخ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے، نہ بات چیت سے نہ عمل سے۔

انوارِ الٰہی کا علم اولیاء رحمہم اللہ کے دلوں میں ہے اور کوئی دل اُن کے دلوں سے براہِ راست حاصل کرسکتا ہے، بات چیت یا کتاب پڑھنے سے نہیں۔ اس راہ کے مسافر کے دل میں اگر کچھ اشارے بھی ہیں تو وہ اِن اشاروں کو سمجھنے سے ابھی محروم ہے۔ جب سالِک کے لئے نورِ خداوندی اِن اشاروں کی تشریح کردیتا ہے تو اللہ کی جانب سے "اَلَمْ نَشْرَحْ" والی بشارت مل جاتی ہے۔ قرآن میں حضور ﷺ کو فرمایا گیا "کیا ہم نے آپ کا شرح صدر نہیں کردیا" یعنی ہم نے وہ نور عنایت کردیا ہے جس سے تم رموز و اشارے بخوبی سمجھ سکتے ہو۔ اِس سورۃ میں فرمایا گیا کہ ہم نے تمہارے سینہ میں یہ باتیں سمجھنے کی اِستعداد پیدا کردی ہے۔ ایک عام انسان یہ سمجھتا ہے کہ علوم و اَسرارِ ذاتِ باری کہیں باہر سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ وہ علوم خود انسان کے دل اور رُوح میں موجود ہیں۔ "اَلَمْ نَشْرَحْ" میں خطاب اگرچہ آنحضور ﷺ کو ہے لیکن ہر طالبِ حق اِس میں داخل ہے۔

اندراں کاریکہ میلت نیست و خواست
جس کام میں تیری خواہش اور میلان نہیں ہے

اندراں جبری شوی کیں اَز خُداست
اُس میں تو جبری بنتا ہے کہ یہ خُدا کی جانب سے ہے

انسان کا دل ایک جامع حقیقت ہے۔ اس میں ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا مُشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی اپنے دل میں مُشاہدہ نہیں کرتا ہے تو ایسے شخص پر لَا یُبْصِرُوْنَ "وہ نہیں دیکھتے" کا طعنہ لگے گا جو کہ کفار کے بارے میں ہے۔ یاد رکھو! ذاتِ حق ہر انسان کے ساتھ ہے لیکن درمیان میں اُس انسان کی ذات حائل ہے۔ تو پھر ہمیشہ ذات کے مُشاہدے کی طلب دل میں ہونی چاہیے۔ اپنے دل میں اُس کے مُشاہدے کی کوشش کر، دربدر اُس کو ڈھونڈتا نہ پھر۔ حضرتِ حق کو اپنے آپ سے باہر تلاش کرنے والے کی مثال تو یہ تھی کہ روٹیوں کی ٹوکری کسی کے سر پر ہو اور وہ دربدر روٹی مانگتا پھرے۔ یا ایک انسان گھوڑے پر سوار ہو اور اُسی گھوڑے کو تلاش کرے۔ لوگ اُس سے پوچھیں کہ تُو کس چیز پر سوار ہے تو اُسے کہنا پڑے کہ گھوڑے پر لیکن پھر بھی گھوڑے کی تلاش میں لگ جائے۔ اُس گھوڑے سوار سے لوگ کہتے ہیں کہ گھوڑا تو تیرے نیچے موجود ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہاں لیکن مجھے گھوڑا نظر نہیں آرہا۔ وہ گھوڑے کی تلاش میں مدہوش بنا ہوا ہے اور گھوڑا اُس کے سامنے موجود ہے۔ صرف انسان کے اوہام اور خیالات راستے میں مانع بنتے ہیں۔ مطلوب کے قریب ہوتے ہوئے انسان کا مطلوب کو پوچھنا اُس مطلوب کا پردہ اور اُس مطلوب کے نور کی چمک اُس کے لئے ابر جیسی آڑ بن جاتی ہے۔ اُس کی نظر کا دھوکا خود اُس کی آنکھ کا پردہ ہے۔ وہی آنکھ جو آڑ کو ہٹانے والی چیز تھی وہ فوراً خود آڑ بن گئی۔ ایسے طلبگار کا کان خود اُس کو بہرہ بنا دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان کو پراگندہ خیالی سے ہر حال میں بچنا چاہیے اور یقین سے سمجھ لینا چاہیے کہ ذاتِ باری میری شہ رگ سے قریب ہے اور اُس کے مُشاہدے کی کوشش کرنی چاہیے کہ یہ اُس کا غم بن جائے۔

حدیث "جس نے مُختلف غموں کو ایک غم بنا لیا، اللہ اُس کے سارے غموں کے لیے کافی ہو گیا اور جس کے مُختلف غم ہیں تو اللہ اِس سے بے نیاز ہے کہ وہ کون سی وادی میں تباہ ہوا"

تیرے ہوش کے پانی کو ہر جڑ اور کانٹا چوس رہا ہے۔ پھلوں تک تیرے ہوش کا پانی کیسے پہنچے؟ اگر انسان دنیاوی معاملات کے سوچ بچار میں لگا رہے گا تو آخرت سے غافل ہو جائے گا۔ اگر دنیاوی فکروں سے بچے گا تو آخرت کی فکر کرے گا۔ دنیا اور آخرت کی فکر میں آخرت کی فکر اچھے پھل لائے گی۔ انصاف تو یہ ہے کہ انسان پھل دار درختوں کو پانی دے۔ کانٹوں اور جھاڑیوں کو دے کر اپنے فکر کے پانی کو ضائع ہونے سے بچائے۔ بھلائی کی جگہ پر بھلائی کرنا عدل ہے اور کوئی کام بے موقع کرنا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں

سعیِ شُکرِ نعمتِ قُدرت بود
کوشش کرنا اللہ کی دی ہوئی نعمت کا شکر ادا کرنا ہے

جبرِ تو اِنکارِ آں نعمت بود
جبر اُس نعمت کا اِنکار کرنا ہے

سے انسانی رُوح کی تربیت کرنی چاہیے نہ کہ رُوحِ حیوانی کی۔ دنیاوی مخصوں کو صرف اپنے قالب تک محدود رکھو قلب تک نہ پہنچنے دو۔

تمہاری رُوح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اعلیٰ چیز ہے اور جسم خرِ عیسیٰ کی طرح ہے۔ بوجھ کو گدھے پر لادو نہ کہ عیسیٰ پر۔ یہ حماقت ہے کہ عیسیٰ پر بوجھ لدا ہوا ہو اور گدھا مزے سے چمن میں گھومے پھرے۔ ہر عمل کا ایک محل ہوتا ہے۔ سُرمہ کان میں لگانا حماقت کی بات ہے۔ اگر خوش قسمتی سے تُو مجسّم رُوح و قلب بن گیا ہے تو اب مجاہدوں کی تکلیف اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر تُو مجسّم جسم ہے تو راحت طلبی چھوڑ کر مجاہدوں کا زہر کھا۔ یہ محنت و مشقت تیرے جسم کے لئے مُفید ہے اور راحت طلبی مُضر ہے۔

انسان کا جسم دوزخ کا ایندھن ہے' اسے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ تیرا لقب بھی وہی ہے جو ابولہب کی بیوی کا تھا۔ قرآن میں اُسے ''حَمَّالَةَ الْحَطَب'' کہا گیا ہے یعنی دوزخ کا ایندھن اُٹھانے والی۔ جسم دوزخ کا ایندھن اور ''رُوح سِدرَۃُ الْمُنْتَہٰی'' کی شاخ ہے۔ دونوں میں فرق کر لے۔ جسم کی شاخ دھوئیں اور آگ کی جڑ ہے اور رُوح کی شاخ عالمِ بالا کی چیز ہے۔ یہ دونوں شاخیں یکساں نظر آتی ہیں جس کی وجہ آنکھ کی غلط بینی ہے۔ دل کی آنکھ سے دیکھ' دونوں میں فرق نظر آ جائے گا۔ انسان کو ہر صورت اس غلط بینی سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر پاؤں نہیں ہیں تو جسم کو ہی آگے سرکانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ بُرائی سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جب انسان راہِ طریقت میں کوشاں ہوتا ہے تو اللہ خود راستہ دکھاتا ہے اور اگر فنا اختیار کرتا ہے تو اُسے بقاء نصیب ہو جاتی ہے۔ انسان جس قدر کسرِ نفسی اختیار کرتا جاتا ہے اُسی قدر اُسے اللہ کی طرف سے بلندی نصیب ہوتی ہے۔

اِس رُباعی کے معنیٰ

گر راہروی راہ برت بکشائیند　　ور نیست شوی بہ ہستی ات بگرائیند
ور پست شوی نگنجی اندر عالم　　وانگاہ تُرا بے تو بتو بنمائیند

''اگر تُو راہِ طریقت پر چلے گا تو تیرے لیے راستہ کھول دیں گے، اگر تُو فنا ہو جائے گا تو تجھے بقاء کی طرف مائل کر دیں گے۔ اگر تو پست ہو جائے گا تو دو عالَم میں نہ سمائے گا، اُس وقت تجھے بغیر تیرے وجود کے دکھائیں گے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے زنا سے بچنے کی کوشش کی تو زلیخا کے بند کیے ہوئے دروازے کھل گئے اور وہ زلیخا کے

پھندے سے صاف بچ گئے۔ دنیا سے بچ نکلنے کے لئے اگرچہ دروازہ نظر نہیں آرہا لیکن اگر انسان کوشش کرتا ہے تو راہ ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور انسان لامکان کا راستہ پالیتا ہے۔ انسان عالمِ بالا سے جس راستے سے آیا ہے وہ بھی اُس کی نظروں سے غائب ہے۔ اِسی طرح وہ غائب راستے سے عالمِ بالا تک جا بھی سکتا ہے۔ راستہ نظر نہ آنے کی وجہ سے اُس راستے کا ہی انکار نہ کر، یاد رکھ! اِسی راستے سے واپس جانا ہے۔ انسان خواب میں راستہ کو بغیر جانے ہوئے چلتا ہے۔ اِسی لئے اپنی حسی آنکھ کو بند کر کے خود کو خدا کے حوالے کر دینا چاہیے تب وہ عالمِ آخرت کا مُشاہدہ کر سکے گا۔ دنیا سے تُو آنکھیں بند نہ کر سکے گا کیونکہ تیری لالچ بھری نظروں نے تیری نظر بندی کر رکھی ہے۔ تُو ہر وقت اپنی سرداری اور بڑائی کے خیال سے اپنے معتقدوں کا منتظر بنا ہوا ہے۔ تجھے سوتے میں بھی یہی خواب اِسی طرح نظر آتے ہیں جیسے اُلو کو خواب میں ویرانہ نظر آتا ہے۔ تُو اپنے خریداروں کا تو منتظر رہتا ہے لیکن تیرے پاس اُن کو فروخت کرنے کے لئے کوئی سودا نہیں ہے۔ اگر تیرے پلے میں کچھ ہوتا تو پھر تُو خریداروں کا منتظر ہی نہ ہوتا۔ عوام میں مقبولیت اور عوام کو گرویدہ کرنے کی وہی شخص کوشش کرتا ہے جو تہی دست ہوتا ہے۔ ایک قِصہ اِسی معنیٰ میں سُن لے۔

نبوت کا دعوای کرنے والے آدمی کا قِصہ

ایک شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ وہ ایک مسخرہ تھا جس نے افلاس سے مجبور ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا تا کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف کر سکے۔ وہ اپنی گفتگو میں ایسے جملے استعمال کرتا تھا جس کے دو معنیٰ ہوتے۔ ایک معنیٰ نبوت کے دعوے پر محمول ہو سکتے تھے تو دوسرے معنیٰ کا نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اُس نے اپنے رسول ہونے کا مطلب یہ بتایا تھا کہ وہ اللہ کے پاس سے اس دنیا میں آیا ہے اور اللہ نے مجھے مُلکِ عدم سے بھیجا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ عدم سے تو ہم سب بھی آئے ہیں تیری کیا خصوصیت ہے؟ اُس نے کہا: بے شک تم لوگ بھی عدم سے آئے ہو لیکن ایسے اندھے پَن سے آئے ہو کہ تمہیں نہ راستے کا پتہ ہے نہ منزل کا۔ تم لوگ سوتے ہوئے بچّے کی طرح دنیا میں آئے ہو جب کہ میں بیداری کی حالت میں آیا ہوں۔

لوگوں نے بادشاہ سے اُسے سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ شاہ نے اُسے بہت کمزور دیکھا اور کہا: یہ سزا برداشت نہیں کر سکے گا۔ شاہ نے سوچا کہ سزا کی بجائے اُسے سمجھانا بہتر رہے گا۔ شاہ نے اُسے تنہائی میں پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے اور کیا کام کرتا ہے؟ اُس نے جواب دیا: دارالاسلام سے ملامت کے گھر یعنی دنیا میں آیا ہوں۔ بادشاہ نے تفریحاً پوچھا کہ تُو نے ناشتے میں آج کیا کھایا ہے؟ وہ بولا: اگر کھانے کو کچھ ہوتا تو میں پیغمبری کا دعویٰ کیوں کرتا۔ اِن لوگوں میں

جُملہ عالم خود مُسبّح آمدند
یُوں تو عالم کی ہر چیز تسبیح کر رہی ہے

نیست آں تسبیحِ جبری مُزدمند
لیکن جبری تسبیح کا اجر نہیں ہے تُو جبری نہیں ہے

پیغمبری کا دعویٰ ایسا ہی مشکل کام ہے جیسے کوئی پہاڑ میں سے دل تلاش کرے۔ ان لوگوں کا یہی حال ہے۔ خدا کے پیغام سے ان کو کوئی نسبت نہیں۔ ہاں اگر کسی حسین عورت کا پیغام ان کے پاس لاؤ تو یہ سب کچھ قربان کر دیں گے۔ اگر انہیں خدا کی طرف بلاؤ تو ناگوار محسوس ہوتا ہے اور آخرت سے ڈرانے والے کی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے پیغام کو جو رد کرتے ہیں تو کسی دین کی حمایت میں نہیں کرتے بلکہ انہیں تو اس فانی دنیا سے دلچسپی ہے۔ ان لوگوں کی مثال اُس گدھے کی سی ہے، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

عوام کی عداوت اور اُن کا اولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے بیگانہ ہونا اِس لیے ہے کہ وہ اُن کو اللہ کی طرف اور ہمیشگی کے آبِ حیات کی طرف بلاتے ہیں

زخمی گدھے کے زخم دھونے کے لئے اگر کوئی شخص اُس کے پھائے اُکھاڑتا ہے تو وہ گدھا اُسے لاتیں مارتا ہے۔ خصوصاً جب زخم زیادہ خراب ہوں اور پھائے اُن پر چپکے ہوئے ہوں تو گدھا زیادہ لاتیں مارتا ہے۔ اُن دنیا داروں کی حرص اُن کے زخم ہیں اور گھر بار اُن زخموں کے پھائے ہیں۔ اُلو کا مسکن ویرانہ ہے۔ اگر کوئی اُسے بڑے شہروں کی خوبی سُنائے گا تو وہ سننے کے لئے تیار نہیں ہو گا۔ اگر کوئی اللہ کا پیغمبر اُن کو اللہ کی باتیں سُناتا ہے تو یہ دنیا دار اُس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہ پرانی کہانیاں ہیں۔ دراصل وہ خود پرانے ہیں ورنہ اللہ کے بندوں کی باتیں تو پرانے کو بھی نیا بنا دیتی ہیں۔ مردہ دل اُن سے زندہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں ایمان کا نور مل جاتا ہے۔ اُس ولی باصفا رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سُن کر تُو اپنے نفس پر قابو حاصل کر لے گا۔ اُن باتوں سے دل کی گرہیں کھل جاتی ہیں لیکن ان باتوں کے سننے والے مفقود ہیں۔

عشق میں اگر ایک ذلت اُٹھانی پڑ جائے تو تُو عشق کو چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ تُو نے صرف عشق کا نام سُنا ہے۔ تُو اُس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے۔ عشق بہت متکبر اور نازوں بھرا ہے اور بہت مصیبتوں سے ہاتھ لگتا ہے۔ عشق ہمیشہ وفا کرتا ہے اور وفاداری ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ بے وفا پر نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ انسانیت کی اصل جڑ وفاداری ہے۔ درخت کی جڑ کی حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ جس شخص میں وفاداری نہ ہو وہ اُس درخت کی طرح ہوتا ہے جو جڑ گل جانے سے پھلوں سے محروم ہو گیا ہو۔ کسی شخص کے محض علم سے دھوکا نہ کھانا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اُس میں وفاداری کا مادہ ہے یا نہیں۔ وفاداری انسان کا اصل جوہر ہوتی ہے۔

انسان اگر خود بھلائیوں سے محروم ہو تو دوسروں کی بھلائیوں سے شیطان کی طرح جلنے لگتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے بھی بھلائی سے محروم ہو جائیں۔ یہی حال ابو جہل کا تھا، وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ ناکام

زانکہ کرمنا شد آدم ز اختیار
اختیار کی وجہ ہی سے آدم کو کرمنا کہا گیا

نیم زنبورِ عسل نیمیش مار
کہ اُس میں بُرائی اور اچھائی کرنے کی قدرت ہے

انسان بامراد انسانوں پر شیطان کی طرح حسد کرتے ہیں۔ اگر انسان اُس ابلیسی صفت سے بچنا چاہے تو خود کو کامیاب بنائے۔ جب انسان وفاداری سے خالی ہو تو اُسے خاموش رہنا چاہیے ورنہ اُس میں دو خرابیاں پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اولاً انسان عام طور پر جب زیادہ باتیں کرتا ہے تو وہ تکبر پر مبنی ہوتی ہیں۔ جب تک بات سینے میں ہے وہ رُوح کا جوہر ہے اِس لئے اُسے خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ انسان کا خیال مغز ہے اور اُس کے اظہار کے الفاظ چھلکا ہیں۔ جس قدر چھلکا کم ہوگا مغز بڑھے گا۔ اخروٹ، بادام اور پستہ کو دیکھ لے اگر اُن کا چھلکا موٹا ہوگا تو گری کم نکلے گی۔

جب انسان عہدِ الست میں وفاداری دکھاتا ہے تو پھر اللہ اُس کی وفاداری کی نگہبانی فرماتا ہے۔ قرآن میں ہے ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا' میرا شکریہ ادا کرو اور کفر نہ کرو'' ایک دوسری جگہ فرمایا: ''تم میرے عہد کی وفا کرو میں تمہارے عہد کی وفا کروں گا''۔ ہم جو کچھ قرض اللہ کو دیتے ہیں یعنی کوئی نیک کام کرتے ہیں تو اُس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ جیسے ہم زمین میں ایک دانہ بوتے ہیں تو اُس میں زمین کا فائدہ نہیں ہے بلکہ ہمارا فائدہ ہے۔ دانہ بو کر انسان دُعا کرتا ہے کہ جو نعمت تُو نے دی تھی اُس میں سے کچھ واپس زمین کو دیتا ہوں۔ عمل کر کے قبولیت کی دُعا کر، بے عمل کئے دُعا خراب بیج کی طرح ہے، اگر عمل کے ساتھ دُعا کرنا میسر نہ ہو تو درد سے دُعا کر' اِس سے مقصود حاصل ہو جائے گا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے کھجور کی گٹھلی نہیں بوئی تھی۔ اُن کے پاس درد تھا اُس سے درخت اُگ آیا۔ چاروں عناصر آگ، پانی، ہوا اور مٹی نے انبیاء علیہم السلام کی مدد کی ہے۔ معجزے محض لوگوں کو دکھانے کے لئے ہوتے ہیں لیکن باطنی کرامتیں جو عوام کی نگاہوں سے مخفی ہوتی ہیں وہ اصل چیز ہوتی ہیں اور دم بدم بڑھتی رہتی ہیں۔

عہد سے وفاداری بھی بغیر تائیدِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے' یا الٰہی! جن کاموں میں استقلال اور پائیداری ضروری ہے اُن میں اِس منحرف ہو جانے والے نفس کو پائیداری عطا کر دے۔ صبر کی دولت عطا فرما کر ترازو کا پلڑا بھاری کر دے اور ہمیں بہروپیوں سے بچا۔ اے مریم! ہمیں حسد سے بچا لے کیونکہ حسد سے انسان شیطانی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ لوگ رشتہ داروں کو محض حسد کی وجہ سے قتل کر ڈالتے ہیں۔ ہمیں عشق ہو تو ذاتِ الٰہی سے ہو جو کہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ دنیاداری کے عشق سے بچا کیونکہ اُس میں عاشق اور معشوق دونوں فنا ہو جاتے ہیں۔ جب دنیا کی ناپائیدار چیزوں میں حسد اور رشک کا یہ حال ہے تو اُخروی نعمتوں میں حسد اور رشک کا اندازہ کر لو۔ شیطان تو انسان سے حاسد ہے ہی، انسان بھی حسد میں بعض اوقات شیطان بن جاتا ہے۔ قرآن میں شیطانوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں ایک جنی اور دوسری انسی، شیطان جب خود عاجز آ جاتا ہے تو انسانوں میں سے

ہر کہ باشد زشت گفتش زشت داں
جو شخص بُرا ہو، اُس کی گفتگو بھی بُری سمجھ

ہر چہ گوید مُردہ آں رانیست جاں
جو بات مُردہ کہے، اُس میں جان نہیں ہوتی

شیاطین کو اپنی مدد کے لئے بلاتا ہے۔ اگر کوئی کسی کو راہِ حق سے گمراہ کرتا ہے تو جنّی اور انسی شیطان اُس پر خوشی مناتے ہیں۔ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو یہ رنجیدہ ہو جاتے ہیں۔ دونوں قسم کے شیطان نیکی کرنے والے پر غضبناک ہوتے ہیں۔

بادشاہ کا مُدعیٔ نبوت سے سوال کہ زبانی نصیحت کے علاوہ سچے رسُول کے پاس کیا ہوتا ہے کہ اُس کی صُحبت اور خِدمت سے مِلتا ہے؟

بادشاہ نے مسخرے مدّعیٔ نبوت سے پوچھا کہ وحی سے صاحب وحی اور دوسروں کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ اُس کے ماننے والوں کو کیا بلندی عطا ہوتی ہے؟ مسخرے نے کہا یہ مانا کہ میری وحی وہ وحی نہیں ہے جو پیغمبروں پر آئی لیکن شہد کی مکھی کو جو وحی آئی تھی اس سے تو کم درجہ کی نہیں ہے۔ وحی کے دو معنٰی ہیں۔ ایک تو کلامِ خداوندی جو کسی فرشتہ کے ذریعے نبی پر نازل ہوتا ہے اور دوسرے معنٰی اشارے اور دل میں بات کے آنے کے ہیں۔ قرآن میں ہے ''اور تیرے ربّ نے شہد کی مکھیوں کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں سے اور درختوں سے اور اُن چیزوں سے جن سے وہ چھپریاں بناتے ہیں گھر بنائیں''۔ شہد کی مکھیوں کے ذریعے اللہ کی وحی سے دنیا کو شہد اور موم عطا ہوا اور قرآن میں ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ''بے شک ہم نے بنی آدم کو بڑائی بخشی''۔

قرآن پاک میں آنحضور ﷺ کو فرمایا گیا: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ''بے شک ہم نے تجھے کوثر عطا کی ہے'' کوثر جنت میں ایک حوض ہے لیکن اِس سے آنحضور ﷺ کے ظاہری اور باطنی فیوض مراد ہیں۔ پھر بھی اے انسان! تُو کیوں پیاسا ہے؟ کیا تو فرعون صفت ہو گیا ہے کہ تیرے لئے کوثر، کوثر نہیں رہی جیسا کہ فرعون کے لئے دریائے نیل کا پانی، پانی نہ رہا تھا بلکہ خون بن گیا تھا۔ توبہ کر لے اور ہر اُس شخص سے بیزار ہو جا جسے حضور ﷺ کے کوثر سے سیرابی حاصل نہیں۔ جس شخص نے حضور ﷺ کے کوثر سے سیرابی حاصل کی ہے اُس کی عادت اختیار کر لو۔ حدیث شریف میں ہے ''جس شخص نے اللہ کے لئے محبت کی اُس نے ایمان مکمل کر لیا''۔ جو شخص کوثرِ نبوی ﷺ سے مُستفید نہیں ہے وہ ابوجہل اور ابولہب صفت ہے۔ اُس سے دُور رہنا چاہیے خواہ کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ جب تُو اللہ کے لئے کسی سے ناراض ہو گا تب عشق میں سچا ثابت ہو گا۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے　　(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

جب تک تُو ''لا'' یعنی غیر سے نفی اور ''الا اللہ'' یعنی اللہ کا اثبات نہ مان لے گا اُس وقت تک تُو سیدھے راستے پر

گفتِ انساں پارۂ انساں بُود　　پارۂ از ناں یقیں ہم ناں بُود
انسان کی گفتگو انسان کا ٹکڑا ہوتی ہے　　روٹی کا ٹکڑا یقیناً روٹی ہوتا ہے

نہیں ہے۔ عشق کا مطلب ہے معشوق کے سوا ہر چیز سے ہاتھ اُٹھا لینا۔

عاشق، جو معشُوق کے سامنے اپنی خدمتیں اور وفاداریاں شمار کر رہا تھا اور معشُوق کا اُس کو جواب دینا

ایک عاشق اپنے معشوق کے سامنے اپنی خدمات گنوا رہا تھا کہ میں نے تیری خاطر یہ کیا وہ کیا۔ اپنا نام گنوایا، طاقت خرچ کر دی اور ہر طرح سے محروم رہا۔ وہ اپنی تکالیف احسان جتانے کے لئے نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنی محبت کے ثبوت پیش کر رہا تھا۔ وہ اپنے شکوے مکرر بیان کرتا جا رہا تھا۔ وہ اپنے عشق اور درد کی سینکڑوں باتیں کرتا جا رہا تھا۔ اُس کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوئی تھی اور شمع کی طرح آنسو بہا رہا تھا۔ اُس نے کہا: یہ سب کچھ تو ہو چکا اب تُو حکم کرے تو میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آگ میں کود جاؤں۔ چاہے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح مجھے قتل کر دے۔ میں تیرے کسی حکم سے منہ نہیں موڑوں گا۔ معشوق نے عاشق کی سب باتیں سُن کر کہا کہ تُو نے سب کچھ کیا لیکن عشق کا جو اصل تقاضا ہے وہ پورا نہیں کیا۔ عاشق نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ معشوق نے جواب دیا کہ عاشق تو اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے، تُو نے سب کچھ کیا لیکن عشق کی جڑ تو مرنا ہے۔ اگر تُو جان فنا کرنے والا دوست ہے تو مر جا۔ اگر تو اِس طرح مر جائے گا تو مکمل زندگی حاصل کر لے گا اور حشر تک زندہ رہے گا۔ جب مدہوش عاشق نے یہ سُنا تو ایک ٹھنڈی آہ بھری اور جان دے دی۔ اُس عاشق کی موت کے وقت کی مسکراہٹ ابدی ہے۔

ایک عارف کی رُوح کی مثال چاند کی چاندنی کی طرح ہے۔ وہ چاہے گندگیوں پر سے گزرے پاک رہتی ہے۔ جیسے چاندنی واپس چاند کی طرف لوٹ جاتی ہے اِسی طرح عارف کی رُوح پاک وصاف رہ کر اللہ کی طرف واپس ہو جاتی ہے۔ وہ دنیاوی کثافتوں کا اثر قبول نہیں کرتی۔ قرآن میں ہے "اے نفسِ مطمئنہ تو راضی اور پسندیدہ ہو کر اپنے ربّ کی طرف لوٹ جا"۔ اُس رُوحِ عارف پر دنیا کے اچھے بُرے کا کوئی اثر نہیں رہتا ہے۔

کسی شخص کا عارفِ عالم سے نمازی کے رونے کے بارے میں پُوچھنا کہ نماز ہو گئی یا تباہ ہو گئی اور اُس کا جواب

ایک شخص نے چپکے سے ایک مفتی سے دریافت کیا کہ اگر کوئی نماز میں آواز سے روئے تو اُس کی نماز باطل ہو جائے گی یا جائز ہوگی؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ غور کرو کہ وہ کیوں رویا؟ اُسے پوشیدہ طور پر کیا محسوس ہوا؟ اگر اُس کا گریہ اللہ کے شوق میں، عاجزی میں یا گناہ کی شرمندگی سے ہوا تو وہ رونا بہتر ہے۔ وہ یقیناً نماز کا کمال ہے۔ اُسے قرب

زاں علیؓ فرمُود نقلِ جاہلاں	بر مزابل ہمچو سبزہ است اے فلاں
اِسی لیے حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ جاہلوں کی بات	اے فلاں! کوڑے پر اُگے سبزہ کی طرح ہے

خداوندی حاصل ہوگا۔ لیکن اگر کسی جسمانی تکلیف سے، اولاد کے رنج میں اُس نے فریاد کی ہے تو اُس آہ و بکاہ سے نماز بھی ٹوٹی اور کچھ فائدہ بھی نہ ہوا۔ اس لئے کہ اصل نماز تو غیر اللہ سے بالکل غافل ہوجانا ہے۔ اِس لئے جان لو کہ رونے رونے میں فرق ہے۔ ایک رونا نماز کی رُوح ہے اور دوسرا اُسے فاسد کردیتا ہے۔

ایک مُرید کا شیخ کو روتے دیکھ کر خود بھی رونے لگنا

ایک مرید نے شیخ کو روتے دیکھا۔ اُس نے بھی اُس کی موافقت کی اور رو پڑا۔ شیخ کا رونا اور اُس مرید کا رونا یکساں نہ تھا۔ شیخ سے مراد کوئی بوڑھا آدمی نہیں بلکہ وہ شخص مراد ہے جس کی عقل اور معرفت بڑھی ہوئی ہو خواہ عمر کے لحاظ سے بچہ ہی ہو۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گہوارے میں ہی سمجھ دار تھے۔ ایک دوسرا مرید جو شیخ کے حال سے زیادہ واقف تھا۔ پہلا مرید فارغ ہوکر باہر آیا تو یہ عقل مند غیرت کی وجہ سے اُس کے پیچھے باہر آگیا۔ اُس نے پہلے مرید سے کہا: اے میرے بھائی! میں تجھے کہتا ہوں کہ خدا کے لئے یہ کبھی نہ سوچنا اور نہ کہنا کہ شیخ روئے اور میں بھی رویا۔ اپنے رونے کو شیخ کے رونے جیسا نہ سمجھ لینا۔ تیرا رونا تو محض شیخ کی تقلید میں تھا لیکن شیخ کا رونا ایسا ہے جو تیس سال کے مجاہدے کے بعد بھی اگر میسر آئے تو غنیمت سمجھنا۔ سننے والا بات سُن کر ایک بار ہنستا ہے لیکن بہرا دو بار کیونکہ ایک بار لوگوں کو دیکھ کے اور دوسری بار لوگوں کے ہنسنے کا سبب جان کر، پہلی بار ہنسنے میں بہرے کو ہنسی کے سبب کا علم نہیں ہوتا پھر جب وہ لوگوں سے ہنسی کا سبب معلوم کرلیتا ہے تو دوبارہ ہنستا ہے۔ جو شخص کسی کی دیکھا دیکھی کام کرتا ہے اُس کی مثال بہرے کی سی ہے۔ اوّل اوّل تو مرید پر شیخ کے باطن کا اثر پڑتا ہے اور اُس سے اُسے خوشی یا رنج حاصل ہوتا ہے۔

اگر ٹوکری نہر میں پڑی ہو اور اُس میں پانی بھرا ہو یا آئینہ میں سورج کی چمک پڑ رہی ہو تو اُس میں پانی یا چمک کو ٹوکری یا آئینہ کا اپنا کمال سمجھنا غلطی ہے۔ جب ٹوکری نہر سے باہر آئے گی یا سورج ڈوب جائے گا تو ٹوکری اور آئینے کو معلوم ہوجائے گا کہ پانی اور چمک اُن کی نہ تھی۔ جب حقائق منکشف ہوجاتے ہیں تو مرید کو اپنی پہلی ہنسی پر ہنسی آتی ہے۔ اب مرید اپنے سابق اَحوال کے بارے میں سمجھتا ہے کہ جو کچھ نوازش اس پر ہوئی وہ تو محض شیخ کا عکس تھا۔ میں اور وہ اپنے اَحوال میں کس قدر دُور تھے۔ جو سالک ابھی راہِ سلوک میں ہے اور اِس راہ کا بچہ ہے وہ حقیقت تک کہاں پہنچ سکتا ہے۔ وہ اگر خود اِس راہ کے اَسرار تک پہنچنے کی کوشش کرے گا یا دلائل ڈھونڈے گا تو بصیرت سے اور دُور ہوجائے گا۔ یہ اَسرار اور راز عقلی دلائل سے واضح نہیں ہوں گے۔ مجاہدوں کی ذلت اختیار کر تب تُو مردِ میدان بنے گا۔ مجاہدوں سے اُس کے دل میں خود بخود تمام اَسرار و راز نظر آجائیں گے اور اُس کے سامنے علوم ظاہری سے بحث کرنے والے بالکل ناسمجھ

بر چناں سبزہ ہر آں کو بر نشست — بر نجاست بے شکے بنشستہ است
ایسے سبزہ پر جو شخص بھی بیٹھا — وہ بے شک نجاست پر ہی بیٹھا ہے

ثابت ہوں گے۔ جو خشکی کا چلنے والا ہے وہ دریا میں نہیں چل سکتا وہاں تیراک کی ضرورت ہے۔ قرآن میں ہے "ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور اُسے خشکی اور سمندر میں سوار کیا"۔ اس میں خشکی والوں سے مراد علومِ ظاہری کے علماء اور سمندر والے سے علومِ باطنی کے علماء مراد ہیں۔ دریا کے جوانمرد پر اللہ تعالیٰ زیادہ بخشش فرماتا ہے۔

وہ انسان جو وہم اور خیالی تصور پر جھکا ہوا ہے شیخ کے رونے کے سبب سے ناواقف تھا۔ اُس کا یہ کہنا کہ میں شیخ کی طرح رویا شیخ کی فضیلت کا انکار تھا۔ شیخ کا رونا تیس سالہ مجاہدے کا نتیجہ ہے محض عقلی بنیاد پر ایسا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ شیخ کا رونا غمِ دوزخ سے ہے نہ فرحتِ جنت سے بلکہ اُس کا رونا محض شوقِ خداوندی سے ہے۔ شیخ کا رونا اور ہنسنا من جانب اللہ ہے۔ عقلی لحاظ سے رونے سے اُس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ شیخ جن چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے وہ عقلی نہیں ہیں۔ جس طرح رات، دن کے احوال نہیں جان سکتی اسی طرح عقل، شیخ کے مشاہدات کو نہیں جان سکتی۔ مچھر جو کہ ہوا کے پہلے جھونکے سے ہی بھاگ جاتا ہے وہ ہوا خوری کے ذوق سے کیسے واقف ہو سکتا ہے۔ ایک حادث، قدیم کی حقیقت کیسے سمجھ سکتا ہے۔ جب قدیم، حادث کو مٹا کر اپنا ہم رنگ بنا لیتا ہے تو انسان صفاتِ خداوندی سے متصف ہو کر بشریت کو گم کر دیتا ہے۔ حروفِ مقطعات یا قرآن کے عام حروف قدیم ہیں اور اسی طرح کے حروف انسانی کلام میں بھی ہیں لیکن دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور عام لاٹھی میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مریض پر پھونک مارنے اور عام آدمی کی پھونک میں بڑا فرق ہے۔ ظاہری بناوٹ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایسی ہی تھی جیسی عام انسانوں کی ہوتی ہے۔ ہر جسم انہی اجزاء سے بنا ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم بنا تھا لیکن ہر جسم کی بناوٹ میں وہ آثار کہاں ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بناوٹ میں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے وہ معجزے ظاہر ہوئے کہ تمام بناوٹیں ہار مان گئیں۔

حروف تو سب ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن قرآن کے کلام میں ایسی تاثیر رکھی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا میں تھی۔ سورج اور روٹی کی ٹکیا دیکھنے میں ایک جیسی ہیں لیکن معنوی فرق کا اندازہ خود کر لو۔ شیخ کے افعال کو عام انسانوں کے افعال کی طرح نہ سمجھنا چاہیے۔ اب اُن کے افعال اپنے نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو چکا ہے۔ ظاہر بینوں سے حقائق ہمیشہ پوشیدہ رہتے ہیں۔ حدیث میں ہے "کُلُّ نَاقِصٍ مَلْعُوْنٌ" یعنی تمام ناقص ملعون ہیں۔ ناقص سے مراد وہ شخص ہے جس کی عقل اور فہم ناقص ہو کیونکہ جن کا جسم ناقص ہوتا ہے وہ تو قابلِ رحم ہیں۔ اللہ نے فرمایا "نہیں ہے اندھے پر گناہ اور نہ لنگڑے پر گناہ اور نہ مریض پر گناہ" بعض لوگ کوئی بات پوری نہیں سیکھتے۔ وہ ناقص ہوتے ہیں لیکن اپنے آپ کو کامل سمجھتے ہیں۔ اس غلطی سے صرف وہی بچتا ہے جس کی جذب رہنمائی کر دے۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ اُس کو

از برِ حق می رسد تفضیل ہا | باز ہم از حق رسد تبدیل ہا
فضیلتیں اللہ کی جانب سے ملتی ہیں | پھر خدا کی جانب سے ہی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں

نورِ مطلق حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ ناری خیال ہے جو عارضی چیز ہے۔ انسان کی حرص اُس کے سامنے اُس کی بُرائی کو بھلا کر کے دکھا دیتی ہے۔

شہوت کی حرص انسان کیلئے سب سے بڑی آفت ہے۔ انسان کی شہوت بُری چیز کو بھلا کر کے دکھا دیتی ہے تو بھلی چیز کو کیا کچھ نہ کر کے دکھائے گی۔ یاد رکھو! انسان میں شہوت کھانے پینے سے بڑھتی ہے تو شہوت کو دبانے کے لئے کم خوری کی عادت ڈالنی چاہیے یا پھر نکاح کر لینا چاہیے۔ جب انسان قیمتی چیزیں کھائے گا تو اُس کو عورتوں کی طرف زیادہ شہوت ہوگی۔ شیطان کے پھندے سے بچنے کے لئے نکاح لَاحَوْلَ کا کام کرتا ہے۔ جس گدھے کو زیادہ اُچھل کود کی عادت ہو اُس پر زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں۔ یہی حال انسانی نَفس کا ہے۔ نَفس کو قابو میں رکھنے کا ہُنر اگر نہیں آتا تو اُس سے بچنا چاہیے۔ انسان اگر نَفس پروری کی حالت میں مر گیا تو اُس کی موت رُسوا کُن ہوگی کیونکہ جیسا انسان کا باطن ہوگا قیامت میں اللہ اُسی صورت پر حشر کرے گا۔ قرآن میں ہے ''اُس اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ تم تجاوز نہ کرو'' اس لئے اپنی زندگی کے ہر فعل کو اعتدال پر رکھو اور نَفس کے کسی معاملے میں حد سے نہ بڑھو۔ قرآن میں ہے: ''كُلُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا'' کھاؤ اور اسراف نہ کرو۔ علم اور قناعت دونوں کو اپنا لوگے تو دنیا سے بھی فائدہ اُٹھالوگے اور مصائب میں بھی گرفتار نہ ہوگے۔ عقل مند آدمی دنیا کو آخرت کے فائدے کے لئے استعمال کر کے فائدہ اُٹھا لیتا ہے اور نادان ندامت اور محرومی میں مبتلا ہوتا ہے۔

جب دنیا دار دنیا کے غم میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس پر خواب و خور حرام ہو جاتے ہیں۔ بے وقوف انسان دنیا میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو جال میں دانے کی طرح ہے۔ بے وقوف پرندے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ شکاری پرندوں کو ذبح کر دیتے ہیں لیکن خوش گلو پرندوں کو فروخت کر دیتے ہیں جو لوگوں کی محفلوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہی صورت دنیا کے جال میں پھنسنے کے بعد دنیا داروں اور اہلِ دنیا ذاکر و شاغل لوگوں کی ہوتی ہے۔ جو لوگ کسی شیخ کامل کے ساتھ کچھ دیر رہ کر تھوڑی سی باتیں سیکھ لیتے ہیں اور اپنی دکان جما بیٹھتے ہیں، یہ جھوٹے شیخ سوائے شیخی بگھارنے کے اپنے شیخ سے کچھ حاصل نہیں کرتے اور اپنے آپ کو عیسیٰؑ اور موسیٰؑ ظاہر کرتے ہیں۔ یہ مریدوں کو پھانسنے کے حریص ہوتے ہیں۔ طوطی کو جب بولنا سکھایا جاتا ہے تو طوطی اور آئینہ کو بالمقابل کر دیا جاتا ہے اور اُستاد آئینے کے پیچھے چُھپ کر بولنا شروع کرتا ہے۔ طوطی یہ سمجھ کر کہ یہ طوطی بول رہی ہے جو آئینے میں نظر آ رہی ہے جو کہ خود اُس کا اپنا عکس ہوتا ہے۔ وہ اُسے اپنا ہم جنس سمجھ کر بولنا سیکھ جاتی ہے۔ یہی حال اللہ تعالیٰ اور نبی کے مخالفوں کا ہے۔ نبی آئینہ کی طرح ہے اور حق تعالیٰ کو اُستاد

جُملہ فضلِ اوست دانید ایں چنیں — سجدہ اش از جان و دل آرید ہیں
یہ سمجھ لو کہ سب اُس کا فضل ہے — ہاں، جان اور دل سے اُس کا سجدہ بجا لاؤ

سمجھ لو۔ اِس طرح وحی جو کلامِ الٰہی ہے بندوں تک پہنچ جاتا ہے۔ مثال اور وحی میں فرق اس قدر ہے کہ آئینہ والی طوطی کی چونچ کی جنبش تو باہر والی طوطی کی جنبش کے تابع ہے لیکن نبی کی زبان کی حرکت اللہ کی وحی کے تابع ہے۔

آئینے سے سیکھنے والی طوطی صرف الفاظ اور آواز ہی سیکھتی ہے، اُس کے سِوا کچھ نہیں جانتی

طوطی ایک ایک بات انسان (اُستاد) سے سیکھ لیتی ہے۔ اُس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتی۔ اِسی طرح مرید اور اُمّتی سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی اُس کی ہم جنس ہے اور اُس سے سیکھتا ہے اور اُستاد، عقلِ کُل اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ پاتا جو کہ اصل معلم ہے۔ مرید اور اُمّتی سمجھتا ہے کہ شیخ اور نبی کہہ رہا ہے۔ اِس راز سے وہ بے خبر ہوتا ہے کہ دراصل اُس سے اللہ تعالیٰ کہلوا رہا ہے۔ وہ نبی کی بات سُن لیتا ہے لیکن اُس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اصل بولنے والا نبی ہے یا اللہ تعالیٰ جو آئینے کے پیچھے سے بول رہا ہوتا ہے۔ بعض اوقات انسانوں میں سے کچھ پرندوں کی بولی سیکھ جاتے ہیں لیکن بولی کے معنٰی جو پرندے مراد لیتے ہیں اُن سے لاعلم ہوتے ہیں۔ اِسی طرح بہت سے انسان کاملین کی نقل اُتارنے لگتے ہیں۔ یہ نقالی کبھی کبھی حقیقت تک رہنمائی بھی کر دیتی ہے۔

ایک بزرگ کا خواب میں حاملہ کُتیا کو دیکھنا کہ پیٹ میں بچے بھونکتے ہیں اور اللہ کی طرف سے اِس بات کی تشریح

ایک شخص نے چلّے کے دوران خواب میں دیکھا کہ ایک حاملہ کُتیا ہے۔ اُس نے پیٹ میں چُھپے ہوئے بچوں کے بھونکنے کی آواز سُنی۔ اُسے تعجب ہوا کہ بچے پیٹ میں کیسے بھونکے۔ جب وہ خواب سے جاگا تو اُس کی حیرت بڑھ گئی۔ چلّے میں وہ اکیلا تھا، آخر اُس نے باری تعالیٰ سے عرض کی: یا الٰہی! میری پریشانی دُور فرما تا کہ میں حضوری قلب سے تیرا ذکر کر سکوں۔ اُسے غیب سے آواز آئی کہ اُسے جاہلوں کی لاف زنی کی طرح سمجھ۔ پیٹ میں پلّوں کا بھونکنا بے کار بات ہے، اُس کا کوئی فائدہ نہیں۔ نہ تو کوئی شکار اُس آواز سے جھاڑیوں میں سے نکلے گا اور نہ اُس آواز سے چور کو بھگایا جا سکتا ہے۔

نااہل شیخ کی لالچ اور سرداری کی خواہش میں ایسی ہی حالت ہوتی ہے کہ اُس کی نظر تو گند ہو جاتی ہے اور وہ شیخی بھگارنے میں اور اپنے آپ کو کامل ثابت کرنے میں خوب لفاظی استعمال کرتا ہے۔ حق کے مشاہدے کے بغیر اُس کی سینکڑوں نشانیاں بیان کرتا ہے اور اپنے خریداروں کی غلط رہنمائی کرتا ہے۔ اُس کے مرید بھی بغیر مشاہدے کے بکواس شروع کر دیتے ہیں اور فرضی مستی ظاہر کرنے لگتے ہیں۔

ایک مومن کا خریدار دراصل اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن میں ہے "اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں خرید لی ہیں"۔

پس یقیں شد کہ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ
پس یقین ہو گیا کہ تُو ہی عزت عطا کرتا ہے

خاکیی را گفت پرہا برکُشا
خاکی سے کہا اپنے پَر کھول

ایک مومن کو اس لئے کسی اور خریدار کی فکر میں نہ پڑنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تجھے تلاش کر رہا ہے اور تیرے آغاز اور انجام کو جانتا ہے۔ اگر خدا کے علاوہ تُو کسی اور کو خریدار بننے دے گا تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اُس خریدار کے پاس تجھے خریدنے کی قیمت کہاں ہے۔ وہ خود دو کوڑی کا ہے اِس لئے اُس پر اپنی عقل و خرد کے لعل و یاقوت کو پیش کرنا نادانی ہے۔ لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ سے روگردانی کرتا ہے وہ بہت بدنصیب ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔

فقیروں پر حسد کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر ضروان کے باشندوں کا باپ پر اعتراض کرنا پیداوار میں برکت ہونا اور نہ ہونا

یمن میں ضروان گاؤں میں ایک خدا پرست اور انجام سے باخبر شخص رہتا تھا۔ وہ ہمیشہ فقیروں اور ضرورت مندوں کی بغیر ریاکاری کے خدمت کرتا رہتا تھا۔ گیہوں آتے تو اُن میں سے بھوکوں کو دیتا۔ آٹے سے بھی کچھ خرچ کرتا۔ روٹی بنتی تو اس میں سے بھی کسی کو کھلاتا۔ جو کچھ فصل بوتا تو پیداوار میں سے بجائے عشر کے اُس سے بہت زیادہ اللہ کے لئے خرچ کرتا۔ وہ ہمیشہ اپنی اولاد کو نصیحتیں کرتا کہ دسواں حصہ تو ضرور خیرات کرتے رہنا کیونکہ یہ پیداوار حقیقتاً اللہ کی جانب سے ہے۔ پیداوار میں سے اگر خرچ کرو گے تو فائدے میں رہو گے۔ خرچ کرنے سے رزق کھلتا ہے۔ پیداوار کے ظاہری اسباب تو محض ایک پردہ ہیں ورنہ اصل داتا تو اللہ ہی کی ذات ہے۔

قرآن میں ہے ”اُن لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستے میں صرف کرتے ہیں ایک دانہ کی سی ہے جس نے سات بالیں اُگائیں اور ہر بالی میں سو دانے اور خدا جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے“۔ جب انسان اسباب سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر اللہ ہی سے مانگتا ہے۔ کھیت کی تباہی پر سر پیٹ کر اللہ سے دُعا کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ ہر انسان اصل رزق دینے والا اللہ ہی کو سمجھتا ہے۔ اصل مستی بھی خدا کے عشق سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ انسان کو اُس مستی کی جستجو کرنی چاہیے۔ بھنگ اور شراب کی مستی وقتی ہوتی ہے۔ انسان کی اصل مالداری نفس کی مالداری ہے جو کہ عطائے خداوندی ہے۔ انسان اپنے خزانے اور مال کو دنیا میں ہی چھوڑ جاتا ہے۔ قرآن میں ہے ”قیامت کے دن ہر شخص اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا“۔ ہر ایک کی وہ حالت ہوگی جو دوسروں سے لاپرواہ کر دے گی۔ اِس حالت کی وجہ سے انسان کے لئے اُس کا ہر دوست اُس کا دشمن ثابت ہوگا کیونکہ وہ دوست بھی بُت کی طرح اُسے خدا سے غافل بنا رہا تھا۔ اگر دنیاوی دوست اِس دنیا میں تیرے مخالف ہو جائیں تو یہ تیری خوش قسمتی ہے۔ آخرت میں جو تکلیف ہونی تھی تُو نے دنیا میں ہی بھگت لی۔ دنیاداروں کی دوستی کھوٹا سودا ہے اگر پہلے ہی اس کا تدارک

آتشی را گفت رو ابلیس شو
زیرِ ہفتم خاک با تلبیس شو

آتشی سے کہا جا ابلیس ہو جا
ساتویں زمین کے نیچے مکار بن جا

کرے تو وہ شکر ادا کرتا ہے۔ دنیا کا کوئی دوست بگڑے تو شکوہ نہ کر بلکہ شکر ادا کر کہ تو اُس کے پھندے سے بچ گیا۔ اب کسی سچے دوست کی تلاش کر جو کہ آخرت میں بھی تیرا ساتھ دے گا۔ وہ دوست جو آخرت میں تمہارے کام آئے گا وہ خدا یا خدا کا مقبول بندہ ہے۔

جب اللہ کا کسی پر کرم ہوتا ہے تو وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ انسان دنیوی علائق توڑ دیتا ہے۔ خلوص کا دانہ اللہ کی سرزمین میں بودے تاکہ نہ اُسے چور چُرا سکے نہ کیڑا لگے۔ شیطان دل میں فقر کے وسوسے پیدا کرے تو اُسے لَاحَوْلَ کی دیمک لگا دے۔ باپ نے بہت سمجھایا لیکن وارث پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جس کا ارادہ نصیحت سننے کا نہ ہو اُسے چاہے کیسی ہی نرمی سے سمجھاؤ وہ اِعراض ہی کرے گا۔ انبیاء علیہم السلام بہت پیار سے سمجھاتے تھے لیکن کفار پھر بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ اللہ نے قرآن میں کافروں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ سخت قرار دیا ہے۔

اللہ کی عطا قابلیّت پر موقُوف نہیں کیونکہ قابلیت حادث ہے
قدیم حادث پر موقُوف نہیں کیونکہ اللہ کی ذات قدیم ہے

حق تعالیٰ کی عطا کے لئے قابلیت ضروری نہیں ہے۔ جب عطا ہوتی ہے تو قابلیت خود پیدا ہو جاتی ہے۔ عطا، اللہ کی صفت ہے جو قدیم ہے۔ قابلیت بندے کی صفت ہے، جو حادث ہے۔ قدیم کے لئے حادث شرط نہیں بن سکتا۔ وہ دل جو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے اُس کی اِصلاح کی تدبیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس میں تبدیلی پیدا کر دے۔ اللہ جب چاہتا ہے تو پتھر جیسے دل کو تبدیل کر کے اُس میں قبول کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ کی طرف سے جو فیض اور عطا ملتی ہے اُس کی دو قسمیں ہیں۔ فیضِ اقدس اور فیضِ مُقدس۔ فیضِ اقدس وہ ہے جس میں اِستعداد شرط نہیں ہے اور فیضِ مُقدس ارواح کی طرف سے آتا ہے اور یہ بقدر قابلیت اور اِستعداد پہنچتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اور یدِ بیضاء فیضِ اقدس کی مثالیں ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزے اُسی کی مثال ہیں، جس میں اِستعداد شرط نہیں۔ اگر ہر چیز میں اِستعداد اور قابلیت شرط ہو تو پھر کوئی مَعْدُوم وجود میں نہ آئے اور جو مَعْدُوم ہے اُس میں اِستعداد و قابلیت کہاں ہو گی۔ عام طور پر سُنتِ الٰہی یہی ہے کہ ہر چیز کے اسباب مہیا ہوں اور قابلیت ہو تو عطا ہوتی ہے۔ معجزے یعنی فیضِ اقدس محض مشیتِ الٰہی سے ظہور میں آتے ہیں۔ ویسے تو عزت اسباب سے حاصل ہوتی ہے لیکن اللہ کی قدرت میں ہے کہ بلا سبب بھی عزت عطا فرما دے۔ عوام کو اسباب ضرور اختیار کرنے چاہئیں لیکن مُسبّبُ الاسباب سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے۔ عوام اپنے مقاصد کی تلاش میں اسباب سے مدد لیتے ہیں لیکن

نا مُصوّر یا مُصوّر گفتنت	باطل آمد بے زصُورت رفتنت
تیرا خُدا کو باصُورت یا بے صُورت کہنا بیکار ہے	جب تک کہ تو صُورت سے نہ گزر جائے

اُنہوں نے اسباب کو قدرت کے لئے حجاب بنالیا ہے کیونکہ ہر شخص بلاواسطہ قدرت کے مُشاہدے کا اہل نہیں ہے۔ لیکن انسان کو وہ نظر اپنانی چاہیے جو اسباب کو چاک کر کے اصل قدرت کو دیکھ سکے۔ جب وہ ایسا کرلے گا تو اُس کی نظر میں اسباب بے حقیقت ہو جائیں گے۔ جان لو کہ ہر خیر و شر باری تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اسباب محض خیالی چیزیں ہیں اور اُن کا مقصد یہ ہے کہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت کا گزرے اور غیب پر ایمان کے فضائل حاصل ہو سکیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا پُتلا بناتے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اشارہ ہوا کہ زمین پر سے مُٹھی بھر مٹی اُٹھا لاؤ

جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا جانے لگا تو اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی مٹی لے آؤ۔ انسان کی تخلیق میں آزمائش کی حکمت ہے اور یہ اُسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ انسان پر کچھ زمانہ غفلت طاری رہے۔ چونکہ زمین کو معلوم تھا کہ اُس مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنے گا اور وہ امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہوگا اس لئے وہ گھبرا رہی تھی۔ وہ بولی: ایسا نہ کرو۔ آپ علیہ السلام بہت برگزیدہ ہیں۔ آپ علیہ السلام فرشتوں کے سردار اور اللہ سے گفتگو کرنے والے ہیں۔ آپ علیہ السلام انبیاء علیہم السلام کے سفیر بنیں گے۔ آپ علیہ السلام وحی کی جان کی زندگی ہیں نہ کہ بدن کی۔ اسرافیل علیہ السلام پر آپ علیہ السلام کو یہ فضیلت ہے کہ وہ جسم کی زندگی اور آپ علیہ السلام جان کی زندگی ہیں۔ وہ صُور پھونکیں گے تو جسم زندہ ہوں گے لیکن آپ علیہ السلام کا دم دلوں کی نشوونما ہے۔ میکائیل علیہ السلام جسم کو رزق مہیا کرتے ہیں۔ آپ رُوح کو رزق دیں گے۔ اُن کا رزق محدود ہے جب کہ آپ کا ازل سے ابد تک ہے۔ آپ کے رزق کے لئے کوئی پیمانہ نہیں ہے۔ عزرائیل علیہ السلام کا کام رُوح کو قبض کرنا ہے جو کہ ذات کے قہر کی علامت ہے۔ مٹی چونکہ سمجھ گئی تھی کہ اُس کو لے جانے کا مقصد کیا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام اپنی شرم و حیاء کی وجہ سے مٹی اُٹھانے سے رک گئے کیونکہ زمین نے ذاتِ باری کے نام کا واسطہ دیا۔ اُنہوں نے اللہ سے عرض کیا: میں نے سُستی یا حکم عدولی نہیں کی بلکہ واسطہ دینے سے گھبرا گیا ورنہ آپ نے تو مجھے وہ قوت عطا کی ہے کہ زمین تو کیا آسمانوں کو چاک کر دوں۔

حضرت میکائیل علیہ السلام کو مٹی لینے کے لیے بھیجنا تاکہ مسجودِ ملائک کا جسم بنایا جاسکے

حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بعد میکائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ نیچے جا اور مٹی لے آ۔ جب وہ زمین کے پاس پہنچے تو وہ لرزنے لگی اور رو رو کر خوشامدیں کرنے لگی اور اللہ کی قسم دی کہ مجھے آزاد کر دیجئے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی کان ہوتے ہیں۔ اللہ کے خاص بندوں میں مولائی صفات ہوتی ہیں۔ زمین کے

نا مُصوَّر یا مُصوَّر پیشِ اوست
خُدا کا باصورت یا بے صورت ہونا اُس شخص کے لیے نہیں ہے

کو ہمہ مغزست بیروں شد ز پوست
جو مُحبِ ایزدی سے سراپا رُوح بن گیا ہو

رونے سے وہ بھی واپس آگئے اور عرض کی کہ اے باری تعالیٰ! میں جانتا ہوں تیرے دربار میں آنسوؤں کی کیا قدر و منزلت ہے۔ میں زمین کے رونے کو اَن دیکھا نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کا ایک آنسو شہید کے خون کے قطرے کے برابر سمجھا گیا ہے۔ پانچ وقتہ اذان گویا ذاتِ باری کے دربار میں گریہ وزاری کی دعوت ہوتی ہے۔ اللہ جس کو مصیبت میں گرفتار کرتا ہے اُس سے آہ وزاری کی کیفیت سلب کر لیتا ہے۔ آہ وزاری اللہ کے سامنے انسان کی سفارشی ہے اور جب سفارشی نہ ہو تو گرفتاری یقینی ہے۔

قرآن پاک میں ہے ''جب ہمارا عذاب اُن کو پہنچا تھا تو اُنہوں نے گریہ زاری کیوں نہ کی اور لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے تھے''۔ جن لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اُن کو اپنے گناہ اچھے لگنے لگتے ہیں۔

حضرت یُونس علیہ السلام کا قصہ اِس بارے میں کہ عاجزی اور زاری آسمانی بلاؤں کو سَروں سے دُور کر دیتی ہے

اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں بااختیار ہے اس لئے آہ وزاری کرنے سے وہ بھیجی ہوئی مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم رات کو بالاخانوں پر سو رہی تھی۔ اُن پر ایسا اَبر آیا جو آگ برسا رہا تھا۔ ڈر سے اُن کے رنگ فق ہو گئے۔ وہ بالاخانوں سے اُتر کر کھلی جگہ جمع ہو گئے اور آہ وزاری شروع کر دی۔ وہ شام سے صبح تک روتے اور فریاد کرتے رہے۔ اُن کی آہ وزاری سے اُن پر سے وہ غضبناک عذاب ٹل گیا۔ آہ وزاری کی جو قیمت اللہ کے دربار میں لگتی ہے وہ کہیں اور نہیں لگتی۔ خدا کے دربار میں رونے سے قلب کو ایک دائمی مسرّت حاصل ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے ''دو قطروں کے علاوہ اللہ کو کوئی چیز محبوب نہیں، ایک تو آنسوؤں کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے بہا ہو اور ایک خون کا قطرہ جو اللہ کے راستے میں بہایا جائے''۔

حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زمین کی طرف جانے کا حکم کہ آدم علیہ السلام کے جسم کے لیے مٹی لا

اُس کے بعد حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زمین سے مُٹھی بھر مٹی لانے کے لئے بھیجا گیا۔ زمین پھر رو رو کر فریاد کرنے لگی۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام قیامت کو صُور پھونکیں گے تو پورا عالم زندہ ہو جائے گا۔ اُنہوں نے عرشِ الٰہی کو بھی تھاما ہوا ہے جس کے نیچے سے چار نہریں دودھ، شہد، شراب اور پانی کی بہتی ہیں۔ جو اُن لوگوں کو سیراب کریں گی جن کی مغفرت ہو جائے گی۔ اُن نہروں کے آثار دنیا میں بھی ہیں۔ دنیا میں اُن نہروں کے آثار فانی ہیں۔ اُن چاروں کے ایک ایک چلّو سے آدم علیہ السلام کا خمیر تیار کیا گیا۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام بھی واپس

صُورتِ ظاہر بود چوں قشر و پوست
انسان کی ظاہری صُورت تو چھلکے کی طرح ہے

معنی اندرو بے چو مغز اے یار دوست
اے یار! اصل تو معنیٰ ہیں جو مغز کی طرح ہے

آ گئے اور عرض کیا کہ آپ نے مجھے حکم تو دیا لیکن ساتھ ہی دل میں رحم بھر دیا اور آپ کے رحم کا غلبہ ہو گیا۔

اسرافیل علیہ السلام کی واپسی کے بعد اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو مٹی لانے کے لئے بھیجا۔ زمین اُن کے آگے بھی طرح طرح کے عذر کر رہی تھی۔ زمین نے اُنہیں خدا اور اُس کی صفات کی قسمیں دینی شروع کر دیں اور کہا کہ اللہ کا حکم درست ہے مگر اُس نے بُردباری کا بھی تو حکم دیا ہے۔ عزرائیل علیہ السلام نے کہا میں پہلے تینوں فرشتوں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہوں مگر اللہ کی طرف سے تکلیف اُس کی طرف سے انعام کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مصائب اُٹھانے والوں پر اُسی نسبت سے مہر بھی کی جاتی ہے۔ اگر اللہ کا یہ حکم قہر بھی ہے تو میرے اُس رحم سے بدرجہا افضل ہے جو میں تجھ پر کروں اور تجھ میں سے مٹی نہ لوں۔ اللہ کے حکم پر تو اگر جان سے بھی دریغ کی جائے تو وہ ہلاکت ہے۔ اللہ کا حکم کہ "آجا" جنت کی نعمتوں سے مالا مال کر دے گا۔ میں اللہ کا حکم پورا کرنے میں کوئی تامل نہیں کروں گا۔ میں اللہ کے حکم کا غلام ہوں۔ میں اللہ کی بات کے سوا اپنی جان کی بھی کوئی بات نہیں سنتا۔ جان تو اللہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر اُس کے حکم پر جان جائے تو وہ سینکڑوں جانیں عطا کر سکتا ہے۔ میں اُس کے حکم کو کسی آہ وزاری سے نہیں ٹال سکتا۔

جس مخلوق سے تجھے تکلیف پہنچے وہ دراصل ایک آلہ کی طرح ہے۔ عارف ہر کام میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے نہ کہ آلے کی طرف۔ دیوار نے کیل سے کہا: مجھے کیوں پھاڑ رہا ہے؟ کیل نے جواب دیا: مجھے نہ دیکھ اُسے دیکھ جو مجھے ٹھونک رہا ہے

جو اہل اللہ ہوتے ہیں وہ ہر معاملے میں مُسبّب الاسباب پر نظر رکھتے ہیں اور اسباب سے قطع نظر کرتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ میں نے عرصہ دراز سے نہ کسی انسان کی بات سُنی ہے اور نہ کسی انسان سے گفتگو کی ہے۔ تو اُس قول کا مطلب یہی تھا کہ وہ ہر معاملہ میں متصرف اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

گر گزندت رسد ز خلق مرنج   کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

از خدا داں خلافِ دُشمن و دوست   کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست

"اگر خلقت کی طرف سے تمہیں کوئی رنج ملتا ہے تو افسوس نہ کر کیونکہ خلق کی طرف سے نہ کسی کو خوشی ملتی ہے اور نہ غم۔ جو کچھ دشمن یا دوست تیرے ساتھ کرتے ہیں اُنہیں خدا کی طرف سے سمجھ کیونکہ اُن دونوں کا دل تو

اللہ ہی کے تصرف میں ہے''۔

اللہ کے کسی حکم سے بھی چون وچرا نہ ہونی چاہیے۔ اگر وہ سانپ کے منہ میں جانے کا حکم دے تو اُس کو بھی بہتر سمجھنا چاہیے۔ عزرائیل علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ کا ایک آلہ ہوں۔ کسی پر رحم کرنے کا حکم ہوگا تو رحم کروں گا اور اگر قہر کا حکم ہوگا تو قہر کروں گا۔ زمین کی رائے مناسب نہ تھی۔ تو حضرت عزرائیل علیہ السلام مٹی کو اس طرح لے گئے جس طرح بھگوڑے بچے کو مکتب میں لے جایا جاتا ہے۔

حضرت عزرائیل علیہ السلام کو جب اللہ نے ملک الموت بنایا تو انہوں نے عرض کیا کہ جن جانداروں کی رُوح قبض کروں گا وہ مجھ سے بغض کریں گے اور مجھے اپنا دشمن سمجھیں گے۔ تو یہ بات آپ میرے لئے کیوں پسند کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں موت کے اسباب پیدا کردوں گا تو لوگ اُن کو دیکھیں گے' تیری طرف سے لوگوں کی نگاہیں ہٹ جائیں گی۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یہ تو درست ہے کہ عوام کی نگاہ اسباب پر ہوتی ہے لیکن خاصانِ خدا بھی تو ہیں جو اسباب کو نہیں دیکھتے۔ وہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ دوا میں تاثیر ہے لیکن جب وہ اثر نہ کرے تو پھر یہ فعلِ خداوندی ہی ہے۔ حدیث میں ہے ''ہر بیماری کی دوا ہے''۔ پوستین کے ذریعے سردی سے بچاؤ ہوتا ہے لیکن اگر خدا چاہے تو سردی پوستین میں سے گزر کر بدن تک پہنچ جاتی ہے۔ قضائے خداوندی کے خلاف ہر دوا بے کار ثابت ہوجاتی ہے۔ طبیب اپنی حماقت سے اُلٹی دوا تجویز کردیتا ہے۔ اہلِ بصیرت اسباب سے دھوکے میں نہیں پڑتے۔ اللہ نے فرمایا: تُو بھی تو ایک سبب ہی ہے۔ اہلِ بصیرت تم کو بھی ایک سبب ہی سمجھیں گے۔ اے عزرائیل علیہ السلام! تم بھی تو محض ایک پردہ ہو اور اہلِ بصیرت کی نگاہ پردہ چاک کرکے اصل تک پہنچ جاتی ہے جو اصل جاننے والا ہوگا وہ تجھے درمیان میں کب دیکھے گا۔ اہلِ بصیرت چونکہ اُخروی انعامات کو جانتے ہیں، وہ موت اور مارنے والے کو بُرا نہیں سمجھیں گے۔

مومن کی موت تو ایسی ہوتی ہے جیسے کسی قیدی کا قید سے چھوٹ جانا۔ جب رُوح جسم کی قید سے آزاد ہوتی ہے تو اُس کی پرواز بڑھ جاتی ہے۔ پھر اُس قیدی کی تمنا ہوتی ہے کہ نیند ہی میں رہے اور رُوح دوبارہ جسم میں نہ جائے۔ جب دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے تو اُس کو اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آخرت کے مزے کی طرف راہ پانے کے لئے رات کو محراب میں کھڑے رہنا چاہیے اور شمع کی طرح آنسو بہانے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب دنیوی نعمتوں کا اہتمام ہے تو اُخروی نعمتیں بھی تیار ہو رہی ہیں۔ اُخروی نعمتوں تک پہنچنے کا ذریعہ انسان کی طلب اور جستجو ہے اور یہ طلب اور جستجو بھی خدا خود ہی عنایت کرتا ہے کیونکہ ہر طالب کے لئے ایک مناسب مطلوب ہونا چاہیے اور

خاک ہمچوں آلتے در دستِ باد	بادرا داں عالی و عالی نژاد
ہوا کے ہاتھ میں خاک ایک آلے کی طرح ہے	اس لئے ہوا کو عالی مرتبہ سمجھو

تُو اپنی طلب میں اضافہ کرکے صرف ذات کو طلب کرتا کہ تُو مرے تو لوگ تجھے مردہ سمجھیں اور تو اپنے آپ کو ابدی زندگی کے ساتھ زندہ سمجھے۔ مردہ سمجھنے والوں سے تُو کہے کہ اگرچہ میرا جسم مردہ نظر آ رہا ہے لیکن دل اور رُوح جنتوں کی سیر میں ہیں۔ جو رُوح عالمِ برزخ میں آرام سے سو رہی ہوتی ہے جسم کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور وہ رُوح تمنا کرتی ہے کہ کاش میری قوم میری اس حالت سے آگاہ ہو۔ جنت میں مادی جسم نہ ہوگا لیکن رُوح زندہ ہوگی اور اُسے زندہ رکھنے کے لئے اللہ اُسے اُس کا رزق دے گا۔

اِس دُنیا کی چکنی چُپڑی چیز بے فائدہ ہے لیکن اللہ کی طرف سے رُوح کو مُہیّا کردہ رزق بہت عمدہ ہے

وہ معنوی رزق جو رُوحوں کو مہیا کیا جائے گا اُن تمام عیوب سے پاک ہوگا جو اس دنیا کے رزق میں پائی جاتی ہیں۔ دنیاوی رزق کی کمی اور زیادتی دونوں مُضر ہیں۔ انسان اگر ظاہری روزی کو چھوڑتا ہے اور معنوی کے لئے کوشش کرتا اور اُس کا منتظر رہتا ہے تب اُس کو معنوی روزی حاصل ہوتی ہے۔ ظاہری روزی نہ ہوگی تو بھوک لگے گی اور انسان اللہ کی طرف سے معنوی روزی کا منتظر رہے گا اور حق تعالیٰ اُسے معنوی روزی عطا فرما دیں گے۔ حدیث شریف ہے ”کشادگی کا منتظر رہنا بہترین عبادت ہے“۔ کم کھاؤ کیونکہ اگر مہمان کم کھانا کھاتا ہے تو سخی میزبان اُس کے لئے اچھے اچھے کھانے تیار کر کے لاتا ہے۔ اللہ سخی میزبان ہے، وہ ہمیشہ اپنے مہمانوں کی قدر کرتا ہے۔ ظاہری گھٹیا روزی پر اکتفا نہ کرو، ہمت بلند رکھو۔ بلند چوٹی پر روشنی پہلے چمکتی ہے۔

اُس کا جواب جِس نے کہا یہ جہان اچھا ہے۔ کاش اِسے زوال نہ ہوتا

ایک شخص کہتا تھا کہ یہ دنیا اچھی ہے، کاش موت نہ ہوتی۔ دوسرے نے کہا: ارے بے وقوف! دنیا کی زندگی تو محض اس لئے ہے کہ یہاں آدمی کچھ اچھے کام کرے جو آخرت کی زندگی میں کام آئیں۔ دنیا کی روزی گھٹیا چیز ہے اور معنوی روزی کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی کو پسند کرنا حماقت کی بات ہے۔ دنیا کی ناقص عقل دنیا کی چیزوں کو خوبصورت کر کے دکھاتی ہے۔ اے اللہ! تُو ہمیں ہر چیز اپنی اصلی حالت میں دکھا دے۔ مُردے پر جب دنیا اور عقبیٰ کی حقیقت کھل جاتی ہے تو وہ مرنے پر افسوس نہیں کرتا، اپنے اچھے اعمال کی کمی پر افسوس کرتا ہے۔ اگر تُو اب تک آخرت کی تیاری نہیں کر سکا تو اب کر لے۔ مرد بن کر دنیا سے جا۔

وانکہ پنہان ست مغز و اصل اوست	اینکہ بر کارست بیکارست و پوست
اور جو پنہاں ہے مغز اور اصل وہی ہے	یہ جہان جو ہمیں مصروفِ کار دکھائی دیتا ہے بیکار چھلکا ہے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان

قیامت میں ہر جان بدن میں واپس آجائے گی اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں عجب نعمتیں حاصل ہوں گی۔ کبھی فراق وصل کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور رحمتِ خداوندی سے بہت سی سعادتیں حاصل ہو جائیں گی۔ جہاں پر عتاب کی توقع تھی وہاں وہ برائیوں کو بھلائیوں میں بدل دے گا۔ وہاں ہر رُوح اپنے جسم کو اِس علم کے ذریعے پہچان لے گی جو خدا نے اُسے عطا کیا ہے۔ جس طرح کہ بھیڑ اور اُس کا بچہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں۔ قیامت میں جس طرح رُوح جسم کی جانب پرواز کر کے آئے گی اِسی طرح اعمال نامے دائیں اور بائیں جانب سے پرواز کر کے انسانوں کے پاس پہنچ جائیں گے۔ فرشتے ہر انسان کے ہاتھ میں اُس کی نیکیوں اور گناہوں کے اعمال نامے پکڑا دیں گے۔ اگر کسی نے مجاہدہ کر کے نیک عادت بنالی ہوگی تو صبحِ محشر میں وہ اُس کے سامنے آئے گی۔ ہمارا سونا اور پھر بیدار ہونا ہمارے مرنے اور قیامت میں زندہ ہو جانے کے گواہ ہیں۔ دنیا میں ہمارا جو اعمال نامہ فرشتے تیار کر رہے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ ہے۔ قیامت میں وہ ظاہر ہو جائے گا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ایک انجینئر کے دل کے خیالات اصل عمارت میں ظاہر ہو جاتے ہیں یا جس طرح زمین کے اندر کا بیج باہر آ کر درخت کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اِسی طرح انسان کے خیالات اور اعراض قیامت میں صورتیں اختیار کر لیں گے۔ دلوں کے راز اسی طرح ظاہر ہو جائیں گے جس طرح لالٹین کے اندر کے تیل یا پانی کا پتہ چل جاتا ہے۔ اگر انسان میں تقویٰ ہے تو اُس پر سرسبزی نمودار ہو جائے گی۔ بُرا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور بدکار سوکھے درخت کی طرح سرنگوں ہو جائے گا۔ اُس گنہ گار نے جو مکاریاں کی ہوں گی وہ سب اُس میں درج ہوں گی۔ اُس کا غرور و تکبر بھی اُس میں درج ہوگا۔ قرآن میں ہے کہ ”آج ہم اُن کے منہ پر مُہر لگا دیں گے اور ہم سے اُن کے ہاتھ گفتگو کریں گے اور اُن کے کاموں پر اُن کے پاؤں گواہی دیں گے“ چور کے گھر سے چوری کا مال برآمد ہو جائے تو ثبوت مکمل ہو جاتا ہے۔

فرشتے اُس کو جہنم کی طرف لے جائیں گے۔ وہ راستے میں رُکے گا اور کسی اُمید پر مڑ مڑ کر دیکھے گا۔ اُس کے لئے عالمِ قُدس سے خطاب ہو گا کہ اے جھوٹے! اعمالِ صالحہ سے ننگے، مُڑ مُڑ کر کیا دیکھتا ہے؟ کس جزا کا انتظار ہے؟ اب بے کار ٹال مٹول نہ کر۔ اپنے اعمال نامے کو دیکھ۔ تیرے پاس کون سا عملِ خیر ہے۔ نہ رات کی نماز نہ دن کا روزہ۔ تُو نے لوگوں کو زبان سے بھی ستایا اور ظالموں کے انجام سے بھی عبرت حاصل نہ کی۔ اگر گناہ کئے بھی تھے تو توبہ کر لیتا۔ جزا کی مثال سایہ کی سی ہوتی ہے، قد ٹیڑھا ہو گا تو سایہ بھی ٹیڑھا ہو گا۔

اب یہ گناہ گار جنابِ باری میں عرض کرے گا کہ جو کچھ بتایا گیا ہے میں اُس سے بھی سو گنا زیادہ خطا کار ہوں لیکن

شاہدِ تو سندِ رُوئے شاہدست
اصل معشوق، معشوق کے چہرے کے پیچھے چھپا ہے

مُرشدِ تو سندِ گفتِ مُرشدست
تیرا مُرشد، مُرشد کی گفتگو کی دیوار کے پیچھے ہے

اے کریم! تیری رحمت اُن گناہوں سے بھی بدتر گناہوں کی پردہ پوشی کرنے والی ہے۔ مجھے نہ اپنے اعمال پر بھروسہ ہے نہ اپنی عاجزی پر بلکہ محض تیرے کرم پر بھروسہ ہے۔ میری اُمید تیرے اُس کرم سے وابستہ ہے جو کسی بھی بدلے اور عوض سے بے نیاز ہے۔ میں مُڑ مُڑ کر تیرے اُس کرم کو دیکھتا ہوں' اپنے اعمال کو نہیں۔ تُو نے ہمیں وجود عطا کیا یہ بھی تمہارا کرم ہی تھا ورنہ اِس وجود سے پہلے نیک اعمال کہاں تھے۔ جب گنہگار اپنی خطائیں گنا کر خالص بخشش طلب کرے گا تو اللہ ملائکہ کو حکم دے گا کہ جب اُس نے اپنی اُمید ہماری بخشش سے وابستہ کی ہے تو اُسے جہنم کی طرف سے واپس لے آؤ' ہم اُس کی تمام خطائیں معاف کرتے ہیں کیونکہ ہم بے پرواہ ہیں۔ ہم اپنے کرم کی وہ آگ جلائیں گے جو اُس کے جرائم کو جلا کر خاک کر دے گی۔ قرآن میں ہے "اے مومنو! اللہ سے پرہیزگاری حاصل کرو اور ٹھیک بات کرو۔ وہ تمہارے اعمال کو سُدھار دے گا اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو بخش دے گا"۔

جس قدر بھی افعالِ انسانی ہیں وہ مظہرِ صفات و اسماءِ باری تعالیٰ ہیں اور اِس لحاظ سے اُن میں ایک نور ہے، لیکن چونکہ اُن کا صدور بندہ کے اختیار سے ہوا ہے اِس لحاظ سے اُن میں جرم و خطاء کی صفت پیدا ہو گئی ہے۔ جب حضرت حق تعالیٰ اپنے کرم سے اِس اختیار کو محو فرما دے گا تو اُن کا نور واضح ہو جائے گا۔ اور اُن افعال میں جرم و خطاء کی صفت باقی نہ رہے گی۔ بندہ کے اُس اختیار کی حقارت اور صفت یوں ظاہر ہوگی کہ جیسے اقوال میں اُس کا اختیار زبان کی وجہ سے ہے، نظر کے گناہوں کا اختیار آنکھ کی وجہ سے ہے، سننے کا اختیار کان کی دو ہڈیوں کی وجہ سے ہے، معلومات میں اختیار خون کی وجہ سے۔ انسان کے اختیار کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مَنی جیسی نجس چیز سے بنا ہے۔ جب وہ اِس قدر ناچیز ہے تو غرور و تکبر اُس کے لئے مناسب نہیں۔ اُسے ایاز کی طرح ہمیشہ اپنی اصل پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

ایاز، اُس کی پوستین اور چپلوں کا قصّہ

ایاز، سلطان محمود غزنوی کا ایک ادنیٰ غلام تھا، پھر ترقی کرتے کرتے اُس کا محبوب ترین وزیر بن گیا۔ چونکہ نہایت عقل مند تھا، اُس نے اپنی غلامی کے زمانے کی پوستین اور جوتیاں ایک حجرے میں رکھ چھوڑی تھیں۔ وہ روزانہ اُس حجرے میں جا کر اپنے آپ کو بتاتا کہ موجودہ عروج پر غرور نہ کر' تیری اصل یہ چیزیں ہیں۔ دوسرے حاسد وزراء نے سلطان سے شکایت کی کہ ایاز نے ایک حجرے میں ناجائز دولت جمع کر رکھی ہے۔ اُسے تالے سے بند رکھتا ہے اور چابی اپنے پاس رکھتا ہے اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا۔

بادشاہ نے کہا تعجب ہے اُس نے ہم سے چُھپا کر یہ دولت کیوں جمع کی ہے؟ شاہ نے ایک وزیر کو کہا کہ رات کے

صُورت از بے صُورتے آید بروں
صُورت ایک بے صُورت سے پیدا ہوئی ہے اور

باز شد اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
ہم پھر اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں

وقت جا کر حجرے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس جاؤ۔ اُس میں سے جو کچھ ملے وہ تیرا ہے۔ وہ غلامی کا دعویٰ کرتا ہے اور ہم سے چُھپا کر مال جمع کرتا ہے۔ جو عشق کا دعویٰ کرے پھر محبوب کے علاوہ اُس کے لئے ہر چیز کی تمنا کفر ہے۔ سردار بہت خوش ہوا کہ اِس طرح خوب مال ہاتھ لگے گا کیونکہ ایاز شاہ کا خزانچی ہے۔ اُس نے ہر قیمتی چیز کمرے میں رکھی ہوگی۔ شاہ نے حجرہ توڑنے کا جو حکم دیا تھا وہ اِس وجہ سے نہیں تھا کہ شاہ کو بدگمانی تھی۔ بلکہ اُس حکم کے ذریعے شکایت کرنے والوں کی آزمائش مقصود تھی۔ شاہ ایاز کو اِس تہمت سے پاک سمجھتا تھا لیکن پھر بھی اُس کا دل لرز رہا تھا کہ کہیں یہ تہمت صحیح ثابت نہ ہو جائے' اگر ایسا ہوا تو ایاز کو اِس کا بہت رنج ہوگا کیونکہ خزانہ میرے پاس ہو یا ایاز کے پاس ہو کچھ فرق نہیں کہ ہم میں دوئی نہیں ہے۔ ایاز سے ایسا فعل خود ناممکن اور بعید ہے۔

قِصہ کا ظاہر، ظاہر پرستوں کے لیے ہے اور وہ لطافت جو اِس قِصّے کی حقیقت ہے اُس کے بیان کرنے میں مجھے شرم آتی ہے۔ عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے

محمود اور ایاز کا قِصہ تو اصل بات کی ظاہری صورت ہے۔ اصل مقصود تو اپنے عشقِ الٰہی کو بیان کرنا ہے۔ چونکہ یہ قِصہ بیان کرتے ہوئے مجھ میں عشقِ حقیقی کی دیوانگی پیدا ہوگئی ہے' اِس لئے اِس قصے کے بیان میں بھی اب ربط نہیں رہا۔ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے۔ غیر ملک میں جا کر جب کبھی وہ خواب میں ہندوستان کو دیکھتا ہے تو اُس پر مستی طاری ہو جاتی ہے۔ جنون کی وجہ سے میں اب نظم و قافیہ پر بھی قادر نہیں رہا۔ مجھے صرف ایک جنون نہیں ہے بلکہ جنون در جنون ہے۔ چونکہ اپنے عشق کو اور اُس کی داستان کو بیان نہیں کر پا رہا ہوں اس لئے اُس کے اثر کی شدت میرے جسم کو گھلا رہی ہے۔ جب سے میں اپنے آپ کو فنا کر کے مقامِ مشاہدہ میں پہنچ گیا ہوں، اے محبوب! اب مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ تیرے عشق کا قِصہ بیان کر سکوں۔ اب میرا وجود خود ایک قِصہ بن کر رہ گیا ہے۔ پہاڑ کیا جانے کہ گفتگو کیا ہوتی ہے۔ وہ آواز طور کی تو نہ تھی، درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہی صدائے بازگشت تھی۔ اب میں طور ہوں' تُو موسیٰ ہے لہٰذا میری آواز دراصل تیری آواز ہے۔ پہاڑ خود اُس آواز کو کچھ نہ سمجھا، موسیٰ علیہ السلام نے سمجھا لیکن یہ نہ سمجھ لینا کہ پہاڑ بالکل بے شعور ہے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام جیسا شعور نہیں ہے۔ اِسی طرح اصل لذت تو رُوح کو حاصل ہوتی ہے اور جسم بھی اُس سے بہرہ اندوز ہو جاتا ہے۔ یہی حال موسیٰ علیہ السلام اور پہاڑ کا ہے۔ جسم سے رُوح کے منازل اور مراتب کا اِسی طرح پتہ لگتا ہے جس طرح اُصطرلاب سے سورج کے اَحوال کا پتہ چلتا ہے۔ اگر انسان محض آنکھ کے ذریعے عالم کی حقیقت کو سمجھنے کی

دَر وُجُودِ آدمی جَان و رَوان اِنسان کے جسم میں جان اور رُوح	**مِیرسد از غیب چُوں آبِ رواں** جاری پانی کی طرح غیب سے پہنچتی رہتی ہے

کوشش کرے گا تو وہ حقیقت تک نہ پہنچ سکے گا۔ آنکھ کے ذریعے دیکھنے والا اپنی آنکھ کے بقدر ہی سمجھ سکے گا۔ عارفوں سے سُرمہ حاصل کرو پھر حقائق تم پر واضح ہوں گے۔

اگر میں تھوڑی سی بھی عقل رکھتا تو ایسی دیوانگی اور بے ترتیب باتیں کیوں کرتا لیکن میری عقل اور حواس گم ہو چکے ہیں اِس لئے ایسی گفتگو کر رہا ہوں۔ وہ معشوق جس کی وجہ سے ہوش وحواس گم ہوئے ہیں اُس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اُس کی شان یہی ہے کہ اُس کے سامنے عاقلوں کی عقلیں گم ہو جاتی ہیں۔ اے عقل کو حیران کرنے والے! تیرے عشق کے جنون کے بعد مجھے عقل کی تمنا نہیں ہے۔ تُو نے مجھے زینت دی ہے تو اب حُسن کی میرے سامنے کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ہاں اب کہہ دے ''اللہ تجھے ٹھیک بدلہ دے'' اور معشوق کا بولنا دراصل عاشق کا بولنا ہے اور اِس زبان کو حواس نہیں سمجھ سکتے۔ اُس شراب کو کوئی صاحبِ ہمت ہی برداشت کر سکتا ہے۔ اُس کی غلامی کے حلقے کا ہر کان اہل نہیں ہے۔ مجھے اب پھر جنون کا دورہ پڑنے لگا۔ میرے لئے زنجیر لا لیکن لوہے کی زنجیر میرے جنون کی تاب نہیں لا سکتی۔ اس کو قابو کرنے کے لئے تیری زلف سے بڑھ کر کوئی زنجیر نہیں ہے۔

عشق کے قصے کی اِبتداء ہوتی ہے نہ اِنتہاء۔ ایاز کا قصہ پھر شروع کر کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ وہ روزانہ حجرے میں جاتا تھا تاکہ اپنی پرانی پوستین اور چپل دیکھ کر اپنی غُربت کے زمانے کو نہ بھولے۔ اشیاء کی فراوانی ہمیشہ لوگوں اور قوموں کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ شیطان کو ہر طرح کا عیش وعشرت اور مرتبہ کی بڑائی حاصل تھی۔ وہی اُس کی گمراہی کا سبب بنی۔ وہ ملائکہ کا معلم تھا اور آگ سے پیدا کیا گیا تھا جو کہ مٹی سے اعلیٰ ہے۔ اِسی لئے اُس نے اپنے آپ کو سردار کہا۔ جنوں کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اِس لئے اُس کا مزاج بھی آتشی تھا۔ میں نے اُس کی نافرمانی کی علت آگ کو قرار دیا ہے لیکن دراصل علت قہرِ خداوندی ہے۔ اللہ خود کسی علت کا پابند نہیں ہے۔ جب اُسے ازلی طور پر نافرمان قرار دیا گیا اُس وقت نہ تو آگ تھی اور نہ شیطان کے مزاج کا آتشی ہونا تھا۔ اِس لئے اچھا ہو یا بُرا سب ذاتِ باری تعالیٰ کی کاری گری ہے اور اُس ہی کے اُسماءِ مبارکہ کے مختلف مظاہر کا جلوہ ہے۔

انسان کا وہ جسم اور پوست جس کی یہ زیادہ پرورش کرتا ہے دوزخی ہے اور اللہ اُسے دوزخ میں نئی نئی کھالیں دے گا۔ قرآن میں ہے ''اُن دوزخیوں کی جب کھالیں پک جائیں گی ہم اُن کی کھالیں تبدیل کرتے رہیں گے تاکہ یہ عذاب کا مزہ چکھیں''۔ انسان کی رُوح، رُوحِ کامل کا پَرتَو ہے لہٰذا وہ آگ پر حاکم ہے۔ تُو جب مجسّم پوست بن گیا ہے اور پوست جہنمی چیز ہے تو تُو بھی جہنم کے دھوئیں میں ہے۔ جسم پروری سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا قہر ہی اس تکبر کا قاتل ہے۔

ہر زماں از غیب نَو نَو می رسد غیب سے ہر وقت نئی نئی بات پہنچتی رہتی ہے	وز جہانِ تن بروں شومی رسد اور تن کی دُنیا سے نکل رکی آواز آتی رہتی ہے

تکبر مال اور مرتبہ کو بہت پسند کرتا ہے کیونکہ یہ چیزیں جسم پروری کا سبب ہیں۔ تکبر انسان کی ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے غفلت کا نتیجہ ہے اور اُس کا جماؤ ایسا ہی ہے جیسا برف کا جماؤ سورج سے غفلت کی بناء پر ہے۔ جب انسان کو ذات و صفات کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو انسان میں اُس کے قرب کے حصول کا لالچ پیدا ہوتا ہے اور لالچی ہمیشہ اپنے لالچ کے حصول کے لئے ذِلّت اختیار کرتا ہے۔ اِس لئے ذات کے قرب کے حصول کا لالچی بھی اپنے آپ کو کمتر درجہ پر رکھنا پسند کرتا ہے۔ جب تک انسان کو ایک حقیقت کے مُشاہدات نہیں ہوتے وہ ظاہر پر ہی قناعت کرتا ہے اور اِس قناعت کی بیڑی اُسے غرور اور تکبر میں مبتلا کر دیتی ہے۔

یاد رکھو تن پروری کفر کا درجہ رکھتی ہے اور دین ذِلّت کو اختیار کرنے کا نام ہے۔ جو لوگ مجاہدات نہ کر کے اپنے اندر کے اصل جوہر کو نہیں دیکھ سکتے وہ محض چھلکے (جسم) کو مغز سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا پیشوا شیطان ہے، جو جاہ و مرتبہ کے جال کا شکار بن گیا۔ حدیث شریف میں ہے "جس شخص نے کوئی بُری راہ قائم کی اُس پر اِس کا اور اُن لوگوں کا گناہ ہے جو قیامت تک اُس پر عمل کریں گے"۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: "رَبَّنَا ظَلَمْنَا" اِسی طرح ایاز نے اپنی پوستین اور چپل روزانہ دیکھنے کا معمول بنا رکھا تھا تاکہ اپنی غُربت کو یاد رکھے۔ اِسی لئے اُس کی عاقبت بھی پسندیدہ تھی۔ انسان اپنے آپ کو نیست کرلے گا تب ہی اُس پر صنعتِ خداوندی کارساز بنے گی۔ خوش نویس اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے صاف سادہ کاغذ تلاش کرتا ہے۔ اپنے آپ کو دنیاوی لذّتوں سے خالی کرلے پھر غیب کی لذّتیں حاصل ہوں گی۔ دنیاوی لذّتیں انسان کو متکبر بنا دیتی ہیں۔ اِس لئے کسی مصیبت میں پھنسنے سے پہلے ہی توبہ کرلینی چاہیے۔ مصیبت کے وقت توبہ کرو گے تو شیطان تم پر ہنسے گا کہ اب بے وقت کی توبہ اور ندامت سے کیا فائدہ۔ ایاز کی عاجزی کی وجہ سے اُس کی ہر نماز انکساری کی تھی۔

"ہمیں چیزوں کو ایسا دِکھا جیسی کہ وہ ہیں اور اگر پردہ ہٹا دیا جائے تو میرے یقین میں اضافہ نہ ہو" اور "جس شخص کو تو بُری نظر سے دیکھتا ہے اپنے وجود کے حلقے سے دیکھتا ہے کیوں کہ ٹیڑھا قد ٹیڑھا سایہ ہی ڈالتا ہے" کے معنٰی کا بیان

یہ دُعا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ ایاز کے مخالفوں کو اُس کے حجرے میں جانے کی حقیقت معلوم نہ تھی۔ اِسی لئے اُنہوں نے ایاز پر الزام لگایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میرا غیب پر ایمان اِس درجے کا ہے کہ اگر غیب سے پردے ہٹا

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتے ست
پس تیرے لئے ہر لحظہ موت اور واپسی ہے

مصطفیٰ فرمودہ دُنیا ساعتے ست
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دُنیا ایک گھڑی (وقت) ہے

دیئے جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا کیونکہ میں ایمان اور یقین کے آخری درجے پر ہوں۔ انسان دوسروں کو اپنے پر قیاس کرتا ہے۔ جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسروں کو سمجھتا ہے۔ اگر کسی کا قد ٹیڑھا ہے تو یقیناً اُس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہی پڑے گا۔ اگر اپنی اِصلاح کرنی چاہتے ہو تو ایاز کی طرح بروقت اِصلاح کر لو اور اُس نے دنیاوی زندگی سے دھوکا نہ کھایا۔ دنیادار توبہ کا صحیح وقت نہیں پہچانتے اس لئے ایسے وقت توبہ کرتے ہیں جب وہ چنداں مُفید نہیں ہوتی۔ جو شخص خود غلطی میں مبتلا ہو دوسروں کو غلطی پر نہ سمجھے۔

بدگمان انسان اپنے اعمال نامے کو دوسرے کا اعمال نامہ سمجھ کر پڑھتا ہے۔ ایاز کی شکایت کرنے والے اُمراء خود مکّار تھے۔ اُنہوں نے ایاز کو بھی مکّار سمجھا۔ سلطان کو اُس کی پاکیزگی کا یقین تھا۔ اسی لئے اُس نے امیروں کو رات کے وقت حجرہ کھولنے کی اجازت دے دی۔ بادشاہ کو اس بات کی پریشانی تھی کہ اگر اُس کے مخلص ایاز کو اِس بات کا علم ہوگا کہ میں نے بدگمانی کی بنیاد پر اُس کے حجرے کی تلاشی کا حکم دیا ہے تو اُس کو کس قدر رنج ہوگا۔ لیکن وہ یہ بھی اپنے دل میں سمجھتا تھا کہ ایاز بدگمان نہیں ہوگا بلکہ یہی سمجھے گا کہ دشمنوں پر حقیقت واضح کرنے کے لئے میں نے یہ حکم دیا ہے۔ کوئی مصیبت زدہ جب اپنی مصیبت کی کوئی بہتر توجیہہ تلاش کر لیتا ہے تو رنج و غم میں شکست خوردہ نہیں ہوتا۔ بادشاہ نے سوچا کہ ایاز اپنے خلوص کی وجہ سے اِس واقعے کی کوئی بہتر توجیہہ کر لے گا۔ میں اگر آزمائش کی اُسے سو تلواریں بھی ماروں گا تو اُس خلوص کے شاہ کا تعلق پھر بھی کم نہ ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرا اُسے تلوار مارنا اپنے آپ کو تلوار مارنا ہے۔

حقیقت کے اعتبار سے عاشق اور معشوق کے اتحاد کے بیان میں شرح دراز ہے لیکن عقلمند کیلئے اشارہ کافی ہے

بظاہر عاشق اور معشوق میں تضاد ہے۔ ایک طرف نیاز ہے اور دوسری طرف بے نیازی ہے۔ جیسے آئینہ اور صورت جو اُس کے اندر آتی ہے بظاہر اُن میں تضاد ہے کیونکہ آئینہ بے صورت ہے لیکن حقیقت میں دونوں میں اتحاد ہے۔ ایک بار مجنوں بیمار ہوگیا۔ عشق کی شدت نے اُس کے خون میں جوش پیدا کر دیا جس سے اُس کے گلے میں ورم آگیا۔ طبیب نے کہا کہ خون کے دباؤ کو کم کرنے کے لئے فصد کرنا ضروری ہے۔ جب فصد کھولنے والے کو بلایا گیا تو مجنوں شور مچانے لگا کہ خواہ میں مر جاؤں فصد نہ کرو۔ فصد کھولنے والے نے کہا کہ تُو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ درندوں سے بھی نہیں ڈرتا پھر اِس نشتر سے کیوں ڈر رہا ہے۔ درندوں کو تجھ میں انسان کی بُو نہیں آتی اور وہ تجھے اپنا دشمن سمجھ کر حملہ آور بھی نہیں ہوتے۔ تیرے جگر میں عشق اور غم کی کثرت ہے۔ جب کہ حیوانات بھی عشق اور اہلِ عشق سے آشنا ہوتے ہیں۔ تو اگر انسان میں

ہر نفس نو می شود دنیا و ما
ہر دم دُنیا نئی ہو جاتی ہے، اور ہم

بے خبر از نو شدن اندر بقا
زندگی میں اُس کے نئے ہونے سے بے خبر ہیں

یہ جذبہ نہ ہو تو کتے سے بھی بدتر ہے۔ اصحاب کہف کے کتے قطمیر کو عشق ہی غار میں لے گیا تھا۔ اگر تُو نے انسان کے دل کے عشق کو نہ پہچانا تو تُو درندوں کے دل کی حالت کیا جان سکتا ہے۔ اس عالم کے وجود کی بنیاد ہی عشق ہے اور تُو دیکھ لے اس کائنات میں باہمی عشق وجذب موجود ہے۔ اگر روٹی اور انسان میں باہمی تعلق نہ ہوتا تو روٹی زندہ انسان کا جزو کیسے بنتی۔ عشق ہی نے اس مردہ روٹی کو زندہ انسان کا جزو بنا دیا۔ مجنوں نے فصد والے سے کہا کہ میں نشتر لگنے سے نہیں ڈرتا ہوں۔ میرا صبر تو پہاڑ سے بھی بڑا ہے اور زخم کھانا تو میری عادت ہے۔ اس سے تو میرے جسم کو آرام ملتا ہے۔ چونکہ میں اپنے آپ کو فنا کر چکا ہوں اور مجھ میں تو لیلیٰ ہی ہے۔ میں لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ میں ہے یعنی دو رُوحیں ایک بدن میں ہیں۔ تو یہ نشتر میرے نہ لگے گا بلکہ لیلیٰ کے لگے گا۔

ہر کرا آئینۂ یقیں باشد : گرچہ خود بیں خدائے بیں باشد

جس کو یقین کا آئینہ حاصل ہے اگرچہ وہ خود بین ہو' وہ خدا بین ہوگا

کسی معشوق نے عاشق سے دریافت کیا کہ تُو مجھ سے زیادہ محبت کرتا ہے یا اپنے آپ سے۔ اُس نے جواب دیا میں تو اپنی سب صفات گم کر چکا ہوں۔ اب تیرے علم سے عالم، تیری قدرت سے قادر ہوں۔ لہٰذا اگر تجھے دوست رکھتا ہوں تو اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں اور اپنے آپ کو دوست رکھتا ہوں تو تجھے دوست رکھتا ہوں۔ اب دوئی ختم ہو چکی ہے۔ جس کسی کو ذات وصفاتِ باری میں یقین کامل حاصل ہو گیا ہو تو چونکہ وہ اپنی خودی کو ختم کر چکا ہے لہٰذا اُس کی خود بینی بھی خدا بینی ہی ہے۔ جب ایک انسان فرائض ونوافل کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرتا ہے اور خدائی اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے تو اُس انسان کو دیکھنا عین خدا کو دیکھنا ہوتا ہے۔

عاشق نے کہا: میں اپنے آپ کو تجھ میں فنا کر چکا ہوں۔ اب تُو اور میں دو شخص نہیں ہیں کہ اُن کے بارے میں محبت کی کمی یا زیادتی کا سوال ہو سکے۔ میرے وجود کا تو بس نام ہی نام ہے ورنہ اس وجود میں دراصل تُو ہے۔ سرکہ اگر شہد کے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سرکہ کا محض نام ہی نام ہو گا ورنہ وہ سارے کا سارا شہد میں مل کر شہد ہی بن گیا ہے۔ جس جسم میں کسی دوسرے جسم کی پوری صفات آ جائیں تو اب پہلے جسم کا صرف نام ہی باقی ہو گا۔ آگ میں پڑے لوہے نے جب آگ کی صفات کو اپنا لیا تو وہ محض نام کا لوہا ہے۔ وہ بالکل آگ ہی کا کام کرے گا۔ اب اگر وہ اس حالت میں ہوتے ہوئے اپنی ہستی کو سمجھے تو پھر وہ آگ کا کافر ہو گا۔ اُس کا اپنے وجود کا اقرار آگ کے غیر کے وجود کا اقرار ہے جو کہ کفر ہے۔ کسی فرعونی کا اَنَا الْحَقُّ کہنا اسی وجہ سے کفر ہے اور منصوری کا یہ کلمہ کہنا عین ایمان ہے۔ اگر کوئی فرعونی صفت والا

عمر ہمچوں جوئے نو نو میرسد
نہر کی طرح تیری عمر نئی نئی آتی رہتی ہے

مستمرے می نماید در جسد
جو جسم میں لگاتار نظر آتی ہے

شخص اَنَا الْحَقُّ کہے تو وہ ملعون ہے اور اگر منصور حلاج کی صفات والا شخص کہے تو اُس پر اللہ کی خاص الخاص رحمت ہے۔ جب تک کوئی انسان اللہ کی صفات سے متصف نہیں ہے تو اُس میں اور اللہ میں تضاد ہے۔ متصف بصفاتِ خداوندی کا اَنَا الْحَقُّ کہنا دراصل "هُوَالْحَقُّ" کہنا ہے اِس کیفیت میں "اَنَا" اور "هُوَ" میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ نور اور صفات کے اعتبار سے دونوں میں اتحاد ہے۔

لیکن یادرکھو! ذاتِ باری تعالیٰ کو کسی انسانی شکل میں ماننا تو حلول ہوا جو کہ کفر ہے۔ مجاہدوں کے ذریعے اپنے پتھر پن کو دُور کر کے لعل بننے کی کوشش کر پھر تجھے رفتہ رفتہ اپنی صفات کو فنا کر کے اللہ کی صفات کے ذریعے بقاء حاصل ہو جائے گا۔ تیرے وجود کے اَوصاف رفتہ رفتہ فنا ہوتے جائیں گے اور صفاتِ خداوندی کا تیرے اندر جماؤ ہوتا جائے گا۔ تُو کان کی طرح مجسّم سماعت بن جا اور اِن نصیحتوں کو قبول کر کے صفاتِ خداوندی کو حلقہ بگوش بنا لے۔ اگر انسان میں انسانیت ہے تو اُس کو کنواں کھودنے والے کی طرح مجاہدے کے ذریعے اپنے جسم کی کھدائی کرنی چاہیے تاکہ آبِ حیات تک پہنچ سکے۔ مجاہدے کے ساتھ اگر حضرتِ حق کی طرف سے جذب شروع ہو جاتا ہے تو پھر مقصد تک پہنچنے کے لئے زیادہ مجاہدوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ انسان کو مجاہدہ شروع کرنا چاہیے اور مقصد کے حصول کا منتظر رہنا چاہیے کیونکہ خدا ہرگز محنت ضائع نہیں کرتا۔ جو کوشش کرتا ہے وہ ضرور پالیتا ہے۔ عبادتیں اِس لئے کی جاتی ہیں کہ درِحق کھلے اور انسان کو تقرب حاصل ہو۔ زنجیر بجا کر دروازہ کھلوایا جاتا ہے۔ عبادت بھی زنجیر بجانا ہی ہے۔ جو شخص کنّی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اُس کے لئے دروازہ ضرور کھل جاتا ہے۔

چغلخور امیروں کا آدھی رات کو خزانے کی تلاش میں ایاز کا حُجرہ کھولنا

چغل خور امیر یہ سمجھتے تھے کہ ایاز نے چپل اور پوستین اِس لئے لٹکا رکھی ہے کہ چُھپے ہوئے خزانے کی جانب لوگوں کا دھیان نہ جائے۔ ایاز نے حجرے پر بہت سخت قفل لگایا تھا تاکہ اُس کا راز چُھپا رہے۔ باہمت لوگ اپنے باطنی اَحوال کی لعل و جواہر سے بھی زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ بے وقوفوں کے نزدیک مال و دولت جان سے بہتر ہے۔ عقلمند روپے پیسے کو جان کی خیرات سمجھتے ہیں۔ اُن امیروں پر حرص کا غلبہ تھا اور عقل کی آواز دَب گئی تھی۔ حکمت کے اشارے اِس لئے بعض لوگوں پر پوشیدہ کر دیئے جاتے ہیں کہ یہ اپنی حرص کے جال میں پھنس جائے اور جب لالچی شخص پھنس جاتا ہے تو اُس کا غرور ٹوٹتا ہے اور پھر اُس کا نفس اُسے ملامت کرتا ہے۔ جب تک وہ مصائب کی دیوار سے نہیں ٹکراتا اُس وقت تک وہ دل کی نصیحت نہیں سنتا۔ اُن کی مثال اُن بچوں کی سی

آں ز تیزی مستمر شکل آمدست
تیزی کی وجہ سے وہ لگاتار شکل بنی ہے

چوں شرر کش تیز جنبانی بدست
اُس انگارے کی طرح جس کو ہاتھ سے تیز گھمایا جائے

ہے جو مٹھائی کھانے کے لالچ میں کوئی نصیحت نہیں سنتے اور جب پھوڑے نکلتے ہیں تو پھر اُن کے کان کھلتے ہیں۔ وہ لوگ حملہ کر کے حجرے میں جا گھسے۔ وہاں مال نظر نہ آیا تو فرش کو کھودنا اور دیواروں میں سوراخ کرنا شروع کر دیا کہ کہیں خزانہ وہاں نہ چُھپایا ہوا ہو لیکن وہاں چپل اور پوستین کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب وہ اپنے خیالات پر شرمندہ تھے۔ اپنی حرکت کو چھپا نہیں سکتے تھے کیونکہ فرش کے گڑھے اور دیواروں کے سوراخ اُن کی چغلی کھا رہے تھے۔ انجام کار وہ محروم واپس ہوئے۔ وہ خالی ہاتھ اور شرمندہ اِسی طرح تھے جس طرح قیامت میں کفار ہوں گے۔

فرمانِ باری تعالیٰ "قیامت کے روز تو اُن لوگوں کے چہرے کالے دیکھے گا جنہوں نے خُدا پر جھوٹ بولا"

شاہ نے قصداً اُن سے دریافت کیا کہ تمہاری بغلیں زر و جواہر کی گٹھڑیوں سے کیوں خالی ہیں؟ تمہارے چہرے بتا رہے ہیں کہ تم ناکام آئے ہو۔ جڑ زمین میں چُھپی ہوتی ہے لیکن اُس کی زندگی کے آثار پتوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ چُھپے ہوئے اعمال کے اثرات بھی اِسی طرح چہروں پر ظاہر ہوں گے۔ قرآن میں ہے "سجدوں کے نشان اُن کے چہروں سے نمایاں ہیں"۔ مٹی نے جڑ کی زبان بند کی ہوئی ہوتی ہے لیکن درخت کی شاخیں جڑ کی حالت کی گواہ ہوتی ہیں۔ سب لوگ بادشاہ سے یہی کہہ رہے تھے کہ ہم قتل کئے جانے کے قابل ہیں لیکن اگر آپ معاف فرما دیں تو یہ آپ کا کام ہے۔ بادشاہ نے کہا اِس معاملے میں سزا یا عطا میرا کام نہیں' ایاز کا کام ہے۔ شاہ نے ایاز کو بلا کر اُن امیروں کو اُس کے حوالے کر دیا۔ اُس نے کہا ظلم یا زیادتی ایاز کے جسم و آبرو پر ہوئی ہے۔ اگرچہ میں اور ایاز دو نہیں ہیں لیکن اِس معاملے میں یگانگت نہیں ہے۔

اگر کوئی شاہ کا جرم بھی کرتا ہے تو وہ شاہ کے حِلم کے بھروسے پر کرتا ہے۔ شاہ کو جرم کا علم بھی ہوتا ہے لیکن وہ اپنے حِلم کی وجہ سے اُس کا اظہار نہیں کرتا۔ شاہ کے حِلم کی وجہ سے ہی خطا کار کو ہمت ہو جاتی ہے' ورنہ اگر ہیبت ہو تو کبھی اُسے خطا کرنے کا موقع نہ دے۔ اگر کوئی قتل میں خطا کرتا ہے تو اُس کے رشتہ داروں کو دیت دینی پڑتی ہے کیونکہ قاتل اِنہی رشتہ داروں کے سہارے کی اُمید پر ہی قتل کرتا ہے۔ اِسی طرح خطا کار' شاہ کے حِلم کے سہارے خطا کرتا ہے تو اُس کی ذمہ داری بھی شاہ کے حِلم کے ذمے ہی پڑتی ہے۔ شاہ کے حِلم کی مستی خطا کار پر طاری ہو جاتی ہے اور اِس حالت میں شیطان اُن کو بے آبرو کر دیتا ہے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام کو حِلمِ خداوندی پر بھروسہ نہ ہوتا تو شیطان اُن کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتا۔ آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے زیادہ علم حاصل تھا اِس لئے شیطان اُنہیں دھوکا نہ دے سکتا تھا لیکن چونکہ اُنہوں نے جنت میں اللہ کے حِلم کا جام پی لیا تھا تو اُن سے خطا سرزد ہو گئی۔ آدم علیہ السلام نے اللہ کے حِلم کی افیون کھالی جس سے اُن پر غفلت

شاخِ آتش را بجنبانی بساز اگر تُو جلتی لکڑی کو کوشش سے گھمائے	در نظر آتش نماید بس دراز تو وہ بہت لمبی آگ کی لکیر نظر آئے گی

طاری ہوگئی۔ پھر اُن کی عقل نے اُس غلطی سے اللہ کی بُردباری سے پناہ پکڑی۔

بادشاہ نے ایاز سے کہا: اب تُو جو چاہے کر۔ معاف کردے یا بدلہ لے لے اور یہ بھی یاد رکھ کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ یعنی بدلہ لینے میں سینکڑوں مہربانیاں پوشیدہ ہیں۔ اس لئے کہ قصاص کے ڈر سے جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اِسی لئے قصاص کو حیات قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص معاف کرتا ہے وہ قاتل کی ایک جان کی طرف دھیان تو دیتا ہے لیکن اُن جانوں کی طرف دھیان نہیں کرتا جو قصاص کے ڈر سے محفوظ رہتی ہیں۔ انسان جوش میں راہِ اعتدال چھوڑ بیٹھتا ہے لیکن ایاز سے یہ ممکن نہیں ہے۔ غلط بات کا اِمتحان کر کے بہت سے لوگ شرمندہ ہوئے ہیں۔ اب یہ سردار بھی اُسی طور پر شرمندہ ہیں۔

ایاز تو بُردباری کا پہاڑ ہے۔ اُس نے شاہ سے کہا کہ میرا ہر رُتبہ آپ کی عطا اور دین ہے ورنہ میری حقیقت تو وہی چپل اور پوستین ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اُس نے اپنے رَبّ کو پہچانا"۔ چپل اور پوستین اُس کی اِبتداء تھی اور باقی سب کچھ شاہی عطیہ تھا۔ اِسی طرح انسان کی اصل بھی مرد کا نطفہ اور عورت کے رحم کا خون ہی ہے۔ انسان کو دیگر دنیاوی عطیات اِس لئے دیئے گئے ہیں کہ وہ اُن عطیات کو دیکھ کر اُخروی عطیات کا طلب گار بنے۔ دنیا کے عطیات تو آخرت کا نمونہ ہیں، جس طرح چند سیب باغ کے نمونے کے طور پر دکھائے جاتے ہیں۔ اُستاد ایک معمولی نکتہ بتاتا ہے تاکہ شاگرد علوم حاصل کرنے کے لئے حریص ہو جائے۔ اگر کوئی شاگرد اپنی حماقت سے کہہ دے کہ بس اُستاد کے پاس اِس نکتے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تو اُستاد اُسے درس سے خارج کر دیتا ہے۔

بادشاہ نے ایاز سے کہا: یہ چغل خور قتل کے مستحق ہیں لیکن تیری بُردباری اور عفو کے طالب ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تُو اِن پر رحم کرتا ہے یا عتاب نازل کرتا ہے۔ روزِ ازل سے حِلم اور غصہ دونوں صفتیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ حِلم اور خشم کی طرف اشارے کے لئے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ "کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں" میں نفی بھی ہے اور اِثبات بھی یعنی کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں ایک مفہوم ہے "میں تمہارا ربّ نہیں ہوں" ربوبیت کے اس انکار کا مقتضی غصہ ہے لیکن یہ مفہوم بھی ہے کہ میں تمہارا ربّ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں صبا اور وبا کی طرح ہیں۔ صبا پرورش کرتی ہے، وبا فنا کرتی ہے۔ دنیا میں حضرتِ حق کی دونوں صفتوں کا ظہور ہے۔ اُس کا ہادی ہونا راست بازوں کی کشش کرتا ہے اور اُس کا مُضِلّ ہونا غلط کاروں کی کشش کرتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز کی کشش اپنی ہم جنس کی طرف ہوتی ہے۔ دوست و دشمن اور نور و نار کا یہی حال ہے۔ غرض کہ کائنات میں سے ہر چیز اپنی جنس کی کشش کر

میں نماید سُرعت انگیزیِ صُنع اللہ تعالیٰ کی ایجاد کی تیزی کو ظاہر کرتا ہے	**ایں درازیِ مُدّت از تیزیِ صُنع** ایجاد کی تیزی سے یہ بقاء کا طول

رہی ہے۔

بادشاہ کا ایاز کو جلد فیصلہ کرنے کا حکم کہ انتظار برزخ موت ہے

شاہ نے ایاز سے کہا کہ مجرموں کے متعلق جلدی فیصلہ کر دے کیونکہ مجرم کو انتظار میں رکھنا بھی ایک قسم کی سزا ہے۔ ایاز نے عذر کیا کہ مجرموں کا فیصلہ کرنا شاہ کا کام ہے۔ میں تو اپنے آپ کو چپل اور پوستین سے کچھ زیادہ نہیں سمجھتا۔ اُن لوگوں نے خشک ڈھیلا تلاش کرنے کے لئے نہر میں ہاتھ ڈالا۔ مجھ جیسے عاجز پر ناحق بدگمانی کی کہ وفا کو مجھ سے شرم آتی ہے۔ اے لوگو! سننے والے اہل نہیں ہیں ورنہ میں وفا کے مضمون کو واضح کر کے بیان کرتا۔ یہ دراصل مغز کی باتیں ہیں۔ اگر تم مجاہدے کر کے اپنے جسم کے چھلکے کو توڑ دو گے اور مغز بن جاؤ گے تو پھر مغز کی باتیں سمجھ سکو گے۔ جب تک اخروٹ کی گری چھلکے میں ہے تو وہ بجتا ہے۔ جب چھلکا ٹوٹ جائے تو پھر کھڑ کھڑاہٹ ختم ہو جاتی ہے۔ مغز میں بھی آواز ہے لیکن جسم کے کان سے سننے کی نہیں، وہ عقل کے کان سے سننے کی ہے۔ چھلکے کی آواز کو بھی ہم اِس لئے سُنتے ہیں کہ مغز تک رسائی ہو جائے۔

انسان ہر وقت کبھی نظم بولتا ہے کبھی نثر، کسی دن آزمائشی طور پر وہ خاموش بھی ہو کر دیکھے تو خاموشی کے فوائد سامنے آئیں گے۔ لذیذ کھانے بہت کھائے ہیں کچھ دن روزے سے رہ کر بھی دیکھ۔ راتوں کو خوب سویا ہے کبھی بیداری کی دولت بھی حاصل کر۔ انسان کو خاموشی سے اپنے اعمال نامے پر اس دنیا میں غور کر لینا چاہیے۔ دُکان میں جوتا اور موزہ دیکھ کر پہننے سے پہلے ہی پہچان لیتے ہو، اُسی طرح اعمال نامہ کو بھی قبل از وقت ہی پہچان لو۔ یاد رکھو! اللہ کی قدرت میں ماہیت کو بدل دینا ہے۔ وہ چاہے تو بُرے کو بھلا بنا سکتا ہے۔ وہ ہر بُرائی کو بھلائی میں تبدیل کر سکتا ہے۔ اگر کسی انسان کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں آنے کے لائق ہے لیکن وہ اللہ کے دربار سے وابستہ ہو جاتا ہے تو اللہ کی مہربانیاں اُسے ایسا بنا سکتی ہیں کہ اُسے اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں ملے۔

کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اُس کا عمل اور حالت اُس کے مناسب نہ ہو تو ایسے شخص کی حالت کا بیان

انسان کو ہمیشہ وہ بات کرنی چاہیے جس کی تائید اُس کا عمل کر سکے۔ کفار زبان سے خدا کے وجود کا اقرار کرتے تھے لیکن عمل یہ کہ بتوں کو پوجتے تھے۔ ایک زُہد کے مُدعی کی خوبصورت بیوی تھی اور اُس کی ایک حسین لونڈی تھی۔ بیوی شوہر کی ہمیشہ نگرانی کرتی اور اُسے تنہائی میں کبھی لونڈی کے پاس نہ چھوڑتی لیکن تقدیر آ پہنچی۔ بیوی حمام میں تھی کہ اُسے یاد آیا کہ وہ طشت

گھر بھول آئی ہے۔ لونڈی سے کہا کہ فوراً گھر جاؤ اور جلدی سے طشت لے آؤ۔ لونڈی بھی آقا کو پسند کرتی تھی۔ گھر پہنچی تو آقا کو خلوت میں پایا۔ شہوت کے جوش میں وہ دروازے کی کُنڈی لگانا بھی بھول گئے۔ بیوی نے سوچا کہ میں نے تو خود روئی اور آگ کو اکٹھا کر دیا۔ وہ تیزی سے گھر کی طرف بھاگی۔ بی بی اور لونڈی کے بھاگنے میں بہت فرق ہے۔ بی بی ڈر سے بھاگ رہی تھی اور لونڈی عشق کی وجہ سے۔

یہی حال عارف اور زاہد کی سیر الی اللہ کا ہے۔ عارف کی سَیر عاشقانہ ہے اور زاہد کی جہنم کے ڈر سے۔ بسط اور قبض، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں۔ عارف کا تھوڑا سا وقت عشق کے تحت بڑے سے بڑا کام کر دیتا ہے۔ قرب کے وہ مقام جو زاہد پچاس سال میں طے کرے عاشق ایک دن میں طے کر لیتا ہے۔ بسط و قبض کا یہ معاملہ عقل اور وہم نہیں سمجھ سکتے ہیں۔ انسان شہوت اور بھوک کا غلام ہے اُس کی صفت خوف ہے۔ اللہ کی صفت عشق ہے۔ قرآن میں ہے ''وہ اللہ اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں''۔ اِس آیت سے معلوم ہوا کہ محبت اللہ کی صفت ہے۔ اللہ کی ہر صفت کمال سے متصف ہے اور محبت کے کمال کو ہی عشق کہا جاتا ہے۔ اِس لئے عشق اللہ کی صفت ہوا۔ انسان میں اگر عشق ہے تو وہ اُس صفتِ خداوندی کا پَرتَو ہے، اصل نہیں ہے۔

عشق اور خوف میں بہت فرق ہے۔ اللہ کی صفتِ عشق غیر محدود ہے اور خوف یعنی قیامت تک کا زمانہ محدود۔ غیر محدود، محدود میں نہیں سما سکتا لہٰذا عشقِ خداوندی کا بیان قیامت تک بھی ممکن نہیں۔ زاہد کے خوف کی سَیر پاؤں کے ذریعے ہے لیکن عارف کی پرواز پانچسو پَروں والے عشق کے ذریعے ہے۔ زاہدؔ عشق کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر اللہ کا نور زاہد کی دستگیری کرے تو پھر اُس کو بھی عاشقانہ سَیر حاصل ہو سکتی ہے۔ عشق سے جذب پیدا ہوتا ہے اور جذب جبر و اختیار سے بالا ہے۔

بیوی کا گھر پہنچ جانا، زاہد کا لونڈی سے علیحدہ ہونا اور رُسوائی

بی بی نے دروازہ کھولا۔ اُس کی آواز آقا اور لونڈی تک پہنچی۔ آقا اپنی حالت چُھپانے کے لئے نماز کی نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ بی بی نے لونڈی کو پریشان حال دیکھا اور آقا کو نماز میں دیکھا تو کشمکش میں پڑ گئی۔ اُس نے شوہر کا دامن ہٹایا تو سب کچھ آلودہ پایا۔ جس طرح انسان کا نجاستوں سے آلودہ بدن نماز کے لائق نہیں ہے اِسی طرح بُرا اعمال نامہ دائیں ہاتھ کے لائق نہیں ہے۔ کافر سے پوچھیں کہ کائنات کس نے پیدا کی تو وہ یہی کہے گا کہ اللہ نے، مگر کام شرکیہ کرے گا۔ اُس کا کام اقرار سے مناسبت نہیں رکھتا۔ وہ کافر جس

کا عمل اُس کے قول کو جھٹلا رہا ہے وہ یقیناً عذاب کے لائق ہے۔
محشر کے دن ہر ڈھکی چھپی بات ظاہر ہو جائے گی۔ خود مجرم کے ہاتھ پاؤں اُس کے خلاف تمام باتیں ظاہر کر دیں گے۔ جس طرح زاہد آقا کے اعضاء نے اُس کے نماز پڑھنے کو جھٹلا دیا' اسی طرح قیامت میں ہر گنہ گار کے اعضاء اُس کو جھٹلا دیں گے۔ مسلمان وہ ہے کہ اُس کا فعل خود اُس کا اقرار بن جائے۔ غلام کا آقا کے پیچھے چلنا غلامی کا اقرار ہے۔
چاہیے کہ توبہ کر لے۔ انسان کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ آخری عمر میں توبہ بیکار ہے۔ اگر وہ نیکوکار بن جاتا ہے تو اُس کی پہلی خطائیں صرف معاف ہی نہیں بلکہ نیکیوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ قرآن میں ہے "اللہ تعالیٰ سے مخلصانہ توبہ کرو"۔ جو شخص نصوح والی توبہ کر لیتا ہے۔ اُس سے اُس گناہ کا دوبارہ صادر ہونا ایسا ہی محال ہے جیسا کہ دودھ کا پستان سے باہر آ جانے کے بعد اُس میں واپس لوٹنا۔ عشق کو عشق ہی کاٹ سکتا ہے۔ اگر کوئی کسی معشوق کا عشق فنا کرنا چاہے تو دوسرے معشوق سے عشق پیدا کر لے۔ گناہ سے توبہ کے بعد اگر اُس گناہ سے نفرت ہو گئی ہے تو یہ توبہ کے قبول ہو جانے کی علامت ہے۔ انسان جب نیکی کرتا ہے تو اُس کے لئے نیکی کی راہیں کھول دی جاتی ہیں اور جب بدی کرتا ہے تو اُس کے لئے بدی کی راہیں کھل جاتی ہیں۔
نصوح کا چہرہ عورتوں جیسا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو عورت ظاہر کر کے حمام میں نوکری کر لی تھی۔ وہ عورتوں کے بدن مل کر مردانہ لذت حاصل کرتا تھا۔ اُس حمام میں شہزادیاں نہانے آتی تھیں۔ نصوح نے اِس کام سے کئی بار توبہ کی مگر وہ توبہ پر قائم نہ رہ سکا۔ نصوح نے ایک عارف سے دُعا کی درخواست کی۔ وہ عارف اُس کے گناہ سے واقف تھا لیکن اُس نے ظاہر نہیں کیا۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم لوگوں کی قلبی کیفیات سے واقف ہو جاتے ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے۔ جو شخص اسرار سے واقف ہو جاتا ہے اُس کے منہ پر قفل لگ جاتا ہے۔

نصوح کے لیے عارف کی دُعا اور نصوح کی سچّی توبہ

اُس عارف نے کہا: نصوح! جس گناہ سے تُو خود واقف ہے خدا تجھے اُس سے توبہ کرنے کی توفیق دے۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کو اللہ سے پورا قرب حاصل ہوتا ہے تو اُن کا اللہ سے دُعا کرنا ایسا ہی ہے جیسے خود خدا اپنے آپ سے دُعا کرے۔ تو اُس کے مقبول نہ ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں۔ حدیثِ قُدسی میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب ایک انسان نوافل کے ذریعے مجھ سے قربت حاصل کر لیتا ہے تو میں اُس انسان کے اعضاء بن جاتا ہوں"۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹی پھینکنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مٹی پھینکنا قرار دیا۔ اسی طرح نصوح کے لئے اُس عارف کی

پس غذائے عاشقاں آمد سماع
سماع عاشقوں کی غذا بن گئی

کہ درو باشد خیالِ اجتماع
کیونکہ اُس میں تصورِ وصل ہی کا خیال ہوتا ہے

دُعا نے ویسا ہی کام کر دکھایا۔ شیخ اگرچہ فانی ہے لیکن اُس کی بات خدا کی بات ہے۔

نصوح حمام میں کام کرتا تھا کہ اُس دوران ایک شہزادی کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا۔ سب کی تلاشی لینے کا حکم ہوا اور تلاشی لینے والوں نے بدن کے ہر سوراخ میں تلاشی شروع کر دی۔ حمام میں سب کو ننگا ہو جانے کا حکم دے دیا گیا اور حمام کی دربان عورت نے باری باری سب کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ نصوح ڈرا کہ اگر اُسے بھی ننگا کر کے تلاشی لی گئی تو راز کھل جائے گا۔ اِس کے نتیجے میں اُسے اپنی موت نظر آنے لگی۔ وہ تنہائی میں چلا گیا اور اللہ سے گریہ وزاری شروع کر دی کہ اے خدا! میں نے بہت دفعہ توبہ اور عہد توڑے ہیں۔ اب تلاشی کی نوبت مجھ تک آ پہنچی ہے۔ اگر میری تلاشی لی گئی تو میں سخت مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔ اس غم اور ڈر سے جو آگ میرے جگر میں لگی ہے اس کے جلنے کی خوشبو سونگھ لے۔ اب تیری رحمت کے سوا مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اے اللہ! وہ کر جو کہ تیرے لائق ہے کیونکہ جسم کے ہر سوراخ سے مجھے سانپ ڈس رہا ہے۔ میری پریشانی اور عاجزی کو دیکھ۔ اپنی شاہی استعمال میں لا اور میری فریاد سُن۔ اگر آج تُو میری پردہ پوشی کر لے تو میں ہر نہ کرنے والے کام سے توبہ کرتا ہوں۔ اگر میں اب توبہ کر کے کوتاہی کروں تو پھر کبھی میری دُعا اور بات نہ سُننا۔ وہ اِسی طرح زاری کیے جا رہا تھا اور اُسے سامنے ملک الموت نظر آ رہا تھا۔ وہ اتنا رویا کہ وہاں کے درودیوار بھی اُس کے زاری میں ساتھی بن گئے۔

نصُوح کی تلاشی کی نوبت آجانا، خوف سے نصُوح کا بے ہوش ہوجانا اور معاملے کا حل ہوجانا

آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مصیبت اِنتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو رحمتِ خداوندی متوجہ ہو جاتی ہے۔ نصوح کو بھی اِنتہائی مایوسی نے اُسے دریائے رحمت کے ساحل پر پہنچا دیا۔ شدتِ عاجزی سے رُوح جسم سے پاک ہو کر دربارِ خداوندی میں پہنچ گئی۔ رُوح ہمارے جسم میں اِس طرح مقید ہے جس طرح انسان کاٹھ میں مقید کر دیا جائے۔ جب جسم بے ہوش ہو جاتا ہے تو رُوح پرواز کر کے شاہ کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے تو جس پر بھی چھینٹا پڑ جاتا ہے اُس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ابرِ رحمت سے ذرّہ موتی بن جاتا ہے۔ وہ بے رونق مٹی سے پھول اور پتیاں اُگا دیتا ہے۔ پرانے مُردے زندہ ہو جاتے ہیں اور بُرے لوگ بھلے بنا دیئے جاتے ہیں۔ رحمت کے اثر سے لوگوں میں بغض و کینہ ختم ہو جاتا ہے۔ بھیڑ اور بھیڑیا مل کر پانی پینے لگتے ہیں۔

جونہی نصوح کی یہ حالت ہوئی، اعلان ہو گیا کہ موتی مل گیا ہے اور اب تلاشی لینے کا عمل ختم کر دیا گیا ہے۔ جب

قوّتِ گیرد خیالاتِ ضمیر
دِل کے خیالات قوّت حاصل کرتے ہیں

بلکہ صُورت گردد از بانگ و صَفیر
بلکہ آواز اور نغمے سے وہ مجسّم بن جاتے ہیں

موتی کے مل جانے کی خوش خبری دے دی گئی تو حمام کے ملازمین نے شہزادی سے انعام کی درخواست کی۔ ہر طرف خوشی منائی جا رہی تھی کہ نصوح ہوش میں آیا تو اُس پر نور کی وہ کیفیت تھی جو سو روزوں کے چلّے کے بعد ہوتی ہے۔ سب لوگ اُس سے معافی مانگ رہے تھے اور اُس کے ہاتھ چوم رہے تھے۔ سب اُس سے بدگمانی کرنے پر شرمندہ تھے کہ اُنہوں نے کیوں اُس کی غیبت کی۔ اُس پر لوگوں کو زیادہ بدگمانی اِس لئے بھی تھی کیونکہ اُسے شہزادی سے زیادہ قرب رہتا تھا۔ شہزادی کا جسم ملنے کے لئے نصوح مخصوص تھا۔ اُس بدگمانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب سے پہلے نصوح کی تلاشی لی جاتی لیکن اُس کی عزت بچانے کے لئے اُسے وہ لوگ موقع دے رہے تھے کہ اگر موتی اُس کے پاس ہے تو اُسے کسی جگہ رکھ دے اور الزام سے بچ جائے۔

نصوح سب سے کہہ رہا تھا کہ یہ اللہ کا کرم ہے ورنہ میں تو جو کچھ تم نے کہا اِس سے بھی بُرا ہو۔ دنیا میں سب سے زیادہ گنہگار ہوں۔ تم کو تو میری بُرائی کا شک ہوگا لیکن مجھے تو یقین ہے۔ میری بداعمالیوں کو میرے سوا اور کون جان سکتا ہے۔ اپنی بُرائیوں کو یا میں خود جانتا ہوں یا میرا خدا جانتا ہے۔ اوّل اوّل تو شیطان بُرائیوں کے لئے میرا اُستاد تھا لیکن میں تو بُرائی کرنے میں شیطان کا بھی اُستاد بن گیا۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ میری پردہ پوشی کر دیتا ہے اور میرے پھٹے ہوئے کو سی دیتا ہے۔ یہی نہیں کہ اُس نے میرے گناہوں سے قطع نظر کر لی بلکہ میری برائیوں کو بھی بھلائیوں میں بدل دیا۔ اب میں دنیاوی علائق سے بالکل آزاد ہوں۔ میں نے اپنی خطاکاری پر آہ کی۔ اُس آہ نے رسی کا کام کیا اور مجھے گناہوں کے کنوئیں سے باہر نکال دیا۔ اگر میرا رواں رواں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے تو ممکن نہیں۔ مغفرت کے بعد جنتی کہے گا ”کاش میری قوم اِس بات کو جان لے کہ میرے خدا نے میری بخشش کر دی ہے اور مجھے باعزت لوگوں میں سے بنا دیا ہے“۔

اُس توبہ کے بعد شہزادی نے پھر نصوح کو بلوایا لیکن اُس نے معذرت کر لی۔ شہزادی کا پیغام آیا کہ شہزادی بلاتی ہے۔ اُس کا دل تجھی سے بدن ملوانے کو چاہتا ہے۔ نصوح نے کہا کہ اب میرے ہاتھ بے کار ہیں اور میں بیمار ہوں۔ اُس نے دل ہی دل میں کہا تلاشی والا خوف اب میرے دل سے کیسے نکل سکتا ہے۔ اب میں نے اِس کام سے ایسی توبہ کر لی ہے جو مرتے دم تک نہ ٹوٹے گی۔ ایک دفعہ ایک مصیبت سے نجات پانے کے بعد تو کوئی احمق ہی اُس میں دوبارہ پھنسنے کو تیار ہوگا۔

قوّتِ گیرد خیالاتِ ضمیر	بلکہ صُورت گردد از بانگ و صفیر
دل کے خیالات قوّت حاصل کرتے ہیں	بلکہ آواز اور نغمے سے وہ مجسّم بن جاتے ہیں

کوئی توبہ کرے اور پھر اُس توبہ کو بُھلا دے اور آزمائے ہُوئے کو پھر آزمائے، اِس بات سے خُدا کی پناہ چاہیے

اگر توبہ میں ٹِکاؤ نہ ہو تو ایسے شخص کی مثال ایسے درخت کی سی ہے جس کی جڑ روز بروز خشک ہوتی جا رہی ہو۔ ایک دھوبی کا ایک گدھا تھا جس کی کمر زخمی تھی اور پیٹ خالی رہتا تھا اور وہ روز بروز کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ جنگل میں ایک شیر ہاتھی سے لڑ کر زخمی اور لاغر ہو گیا اور جانوروں کا شکار کرنے کے قابل نہ رہا۔ وہ جانور جو اُس کے شکار کے بچے کھچے کو کھا کر گزارہ کرتے تھے وہ بھی بھوکے ہو گئے۔ شیر نے لومڑی سے کہا کہ کسی گدھے کو بہلا پھسلا کر میرے پاس لے آؤ تا کہ اپنا پیٹ بھریں۔ لومڑی اپنی چالاکیوں میں مشہور ہے۔

جس طرح شیر شکار کرتا ہے اور کئی درندے اُس کا بچا ہوا کھا کر پیٹ بھرتے ہیں اِسی طرح قُطبِ زمانہ اسرار و مَعارفِ الٰہی کا شکار کرتا ہے اور بقیہ اولیاء رحمہم اللہ اُس کے ذریعے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ جو شخص اپنے دَور کا قُطب ہوتا ہے وہ اَسرار و مَعارف سے براہِ راست اِستفادہ کرتا ہے اور دوسرے اولیاء رحمہم اللہ اُس کے واسطے سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ہر ولی کا فرض ہے کہ وہ قُطبِ زمانہ کی خوشنودی حاصل کرے اور اُس کو خوش رکھے۔ اگر قُطب رنجیدہ ہو جاتا ہے تو بقیہ لوگ بے سروسامان رہ جاتے ہیں۔ لوگوں کی روزی اُس کا پَس خوردہ ہوتی ہے۔ قُطب اور باقی مخلوق کی وہی نسبت ہوتی ہے جو عقل اور باقی اعضاء کی، اعضاء عقل کے ذریعے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ قُطب پر کبھی رُوحانی ضعف طاری نہیں ہوتا' ہاں اِس دنیا میں ہوتے ہوئے جسمانی ضعف ضرور ہوتا ہے۔ اُس کی رُوح اور جسم کی وہی نسبت ہے جو حضرت نوح علیہ السلام اور کشتی کی تھی۔ چاہیے کہ اُس کی کشتی کی مرمت میں اُس کی مدد کی جائے کیونکہ قرآن میں ہے "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے وہ تمہاری مدد کرے گا"۔ تیری مدد تجھ ہی میں اضافہ کرے گی۔ قُطب کو جس مدد اور خدمت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اُس کی جسمانی مدد اور خدمت ہے۔ تُو جو کچھ بھی قُطب کی بدنی خدمت کرے گا وہ تیرے لئے ہی مُفید ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کو اللہ نے اپنی مدد قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اِس مدد کا فائدہ تمہیں بصورتِ مددِ خداوندی حاصل ہوگا۔ جس طرح لومڑی شکار کے لئے شیر کی مدد کرتی ہے' وہ بھی اِس شکار میں سے کھا کر فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اِسی طرح اگر تم قُطب کی بدنی خدمت کرو گے تو خود ہی فائدہ اُٹھاؤ گے۔ قُطب کا ارادت مند جو کچھ قُطب کو دے گا وہ لومڑی کے شکار کی طرح ہوگا کہ خود ارادت مند کے لئے مُفید پڑے گا۔ قُطب کا منکر بجو کی طرح ہے کہ جس کی کمائی مُردار ہوتی ہے لیکن اگر وہ قُطب کے پاس پہنچ جائے تو اُس کا مردار پن زائل ہو جاتا ہے۔

آتشِ عشق از نواہا گشت تیز
عشق کی آگ نغموں سے تیز ہو جاتی ہے

آں چُنانکہ آتشِ آں جوز ریز
جسطرح اُس اخروٹ گرانے والے کی آگ

لومڑی کے شیر سے سوال و جواب

لومڑی نے شیر سے کہا کہ میں آپ کے حکم کی تعمیل میں نکلتی ہوں تا کہ کسی گدھے کو بے وقوف بنا کر اِس طرف لے آؤں اور وہ اُسی دھوبی کے مسکین گدھے کے پاس پہنچی اور نہایت گرمجوشی سے اُسے سلام کیا۔ کہنے لگی کہ آپ اِس خشک پتھریلے علاقے میں کیوں پڑے ہیں؟ گدھے نے کہا: رزق خدائی تقسیم ہے اور میں اپنے حصے پر راضی ہوں۔ ہر حالت میں ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے بلکہ یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ نے اُس کو اِس سے بدتر حالت میں نہیں کیا۔ اللہ کی تقسیم پر شکوہ کفر ہے۔ دنیا کی ساری مخلوق اُس کے ہی خوانِ نعمت سے روزی حاصل کر رہی ہے۔ اللہ کے علاوہ سب دشمن ہیں۔ صرف وہی ہمارا اصل دوست ہے اور دوست کا شکوہ دشمن سے کرنا بے وقوفی ہے۔ میں بڑھیا حالت کا خواہش مند نہیں ہوں کیونکہ ہر بڑھیا نعمت کے ساتھ کوئی نہ کوئی تکلیف دہ بات ضرور لگی ہوئی ہے۔

گدھے کا شاہی اصطبل میں جانا، عربی گھوڑوں کی پرورش پر حسد کرنا اور اُن کے مُشکل کام کا احساس نہ کرنا

ایک سقّے کا ایک گدھا تھا جو نہایت ہی کمزور اور زخمی حالت میں تھا۔ اُس کا دوست شاہی اصطبل کا داروغہ تھا۔ اُس نے گدھے کی کمزوری کو دیکھا تو کہا کہ اِسے کچھ دن کے لئے میرے سُپرد کر دو۔ اصطبل میں خوب کھا پی کر موٹا ہو جائے گا۔ اصطبل میں گدھے نے ہر طرف موٹے تازے عربی گھوڑے دیکھے جن کی خوب خاطر داری ہوتی تھی اور خوب کھانے کو ملتا تھا۔ گدھے نے منہ اُوپر اُٹھایا اور کہا: اے پروردگار! کیا میں تیری مخلوق نہیں ہوں؟ پھر کس وجہ سے عاجز، زخمی اور لاغر ہوں؟ یہ گھوڑے کس شان سے رہتے ہیں اور میں مصیبت میں مبتلا ہوں۔

اچانک جنگ کا اعلان ہو گیا۔ عربی گھوڑوں کو جنگ میں بھیج دیا گیا۔ جب وہ جنگ سے واپس ہوئے تو اُن کے جسم تیروں اور نیزوں سے زخمی تھے اور نعل بند اُن کے پاؤں باندھ کر اُن کے جسموں سے تیر نکال رہے تھے۔ گدھے نے عربی گھوڑوں کی یہ حالت دیکھی تو دُعا کرنے لگا کہ الٰہی! میں اپنے فقر پر ہی راضی ہوں، زیادہ ساز و سامان کے ساتھ یہ زخم خوری مجھے منظور نہیں۔

لومڑی کو گدھے کا جواب دینا

گدھے کی باتیں سُن کر لومڑی نے کہا کہ اللہ کا حکم ہے کہ رزق تلاش کرو۔ اِس لئے حلال روزی کی طلب تو فرض ہے۔ یہ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں سبب اختیار کئے بغیر کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ قرآن میں حکم ہے ”جمعہ کی نماز کے بعد اللہ کا فضل یعنی رزق

ذکرِ حق پاک ست چوں پاکی رسید　　رخت بر بندد بروں آید پلید
حق کا ذکر پاک ہے جب پاکی آئے گی　　تو پلیدی اپنا سامان باندھ کر باہر نکل جائے گی

تلاش کرو"۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ نے سب کے رزق کے دروازوں کو مُقفل کر دیا ہے۔ انسان کی کوشش اور کمائی کرنا اِن تالوں کی کنجی ہے"۔ چابی کے بغیر کوئی تالا نہیں کھلتا۔ اِس لئے رزق حاصل کرنے کے لئے کوشش ضروری ہے۔

گدھے نے کہا: سبب کے بغیر رزق کا نہ آنا توکل نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اگر خدا پر پورا توکل کیا جائے تو رزق ضرور پہنچتا ہے۔ انسان چونکہ بے صبرا ہے اِس لئے رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔ لومڑی بولی: ایسا توکل کہ رزق خود بخود آئے ہر ایک کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ توکل کا یہ مرتبہ تو صرف شاہوں کو حاصل ہے۔ پیغمبر نے قناعت کو خزانہ فرمایا ہے اور خزانہ ہر ایک کے ہاتھ تو نہیں آتا۔ انسانوں کو اپنے رتبے پر ہی رہنا چاہیے ورنہ مصیبت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جب توکل کا مرتبہ حاصل نہیں تو انسان کو رزق کی تلاش کرنی چاہیے۔ گدھے نے لومڑی سے کہا: توکل سے نہیں بلکہ لالچ اور حرص سے رُوح مصیبت میں گرفتار ہوتی ہے۔ قناعت مُضر نہیں ہے اور حرص مُفید نہیں ہے۔ رزق سوروں اور کتوں کو بھی بغیر کمائے ملتا ہے اور بارش انسانوں کی محنت کے بغیر ہی ہو جاتی ہے۔ جس طرح انسان رزق پر عاشق ہے اِسی طرح رزق بھی انسانوں پر عاشق ہے۔ انسان صبر کرے تو وہ خود دروازے پر آجاتا ہے۔

توکل کے بارے میں ایک زاہد کا قصہ

ایک زاہد نے توکل کے سبب رزق ہونے کو آزمانے کے لئے شہر کو چھوڑ دیا اور بہت دُور پہاڑ پر جا بیٹھا۔ اُس نے آنحضور ﷺ کی حدیث سُنی تھی کہ "جان کو رزق ہر حال میں پہنچتا ہے"۔ اُس نے سوچا کہ میں دیکھتا ہوں میرا رزق مجھ تک کیسے پہنچتا ہے۔ میں اِس کے لئے بالکل کوشش نہیں کروں گا۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ایک قافلہ اپنا راستہ بھول کر اِدھر آنکلا۔ وہ وہاں نیم مردہ پڑا تھا۔ اُنہوں نے سوچا بھوک پیاس کی شدت سے ایسا ہو گیا ہے۔ وہ روٹی اور دوسرا کھانا لائے۔ اُس نے اپنے دانت مضبوطی سے بند کر لئے۔ قافلے والوں نے سوچا کہ بھوک کی وجہ ہی سے اُس کی یہ حالت بنی ہے۔ ایک شخص دوڑ کر چھری لایا اور اُس کے بند دانتوں کو کھولا اور اُس کے منہ میں شوربا وغیرہ ڈالا۔ زاہد نے اپنے دل سے پوچھا: تُو تو راز جانتا ہے۔ تو کیوں خاموش ہے؟ دل نے جواب دیا: میں جانتا ہوں کہ یہ تُو قصداً کر رہا ہے۔ اب دیکھ لے کہ اللہ کیسے رزق پہنچاتا ہے۔ توکل کرنا چاہیے لیکن حرص کرنا گدھوں کا کام ہوتا ہے۔ زاہد بولا: پاک رسول ﷺ کا کہنا بالکل سچ ہے۔ صابروں کے پاس رزق خود چل کر آتا ہے لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ رزق کے لئے تگ و دو ہی نہ کی جائے۔

می گریزد ضدہا از ضدہا	شب گریزد چوں برافروزد ضیا
کیونکہ ضدیں، ضدوں سے دُور بھاگتی ہیں	جیسے روشنی آتی ہے تو اندھیرا بھاگ جاتا ہے

اللہ نے ہمیں ہاتھ پاؤں اِسی لئے دیئے ہیں کہ کام کریں۔ اپنا بھی بھلا کریں اور دوسروں کا بھی پیٹ بھریں۔ معاشرے میں ہم ایک دوسرے کی کمائی کے محتاج ہیں۔ ہر آدمی اپنی ضرورت کی ہر ایک چیز خود پیدا نہیں کر سکتا۔ سُنّت طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کو کوئی نہ کوئی کسب ضرور کرنا چاہیے۔ گدھے نے کہا: توکل بھی ایک پیشہ ہے جس کے سب پیشے محتاج ہیں۔ ہر پیشہ ور اپنے اسباب اختیار کر کے دُعا مانگتا ہے جو کہ توکل ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ''اگر تم شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ دیں گے''۔ سبب اختیار کر کے خدا پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ لومڑی بولی: ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے جس کی دین میں ممانعت ہے۔ تم ذرہ ہمت کرو آؤ میں تمہیں سبزہ زار تک پہنچا دوں۔ وہاں خوب پیٹ بھر کر گھاس کھانا۔ گدھا بے وقوف ہوتا ہے ورنہ وہ کہتا کہ اگر وہاں خوراک بہت ہے تو تُو خود کیوں لاغر ہے اور تیرے چہرے پر رونق کیوں نہیں ہے؟ بعض اوقات انسان کی حالت اُس کے قول کی تردید کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے اژدہے کو دیکھ کر فرعون کی جو حالت ہوئی اُس نے خود اُس کے خدائی کے دعوے کی تردید کر دی۔ جب انسان دنیاوی لذتوں کی طرف مائل ہو تو یقیناً اُس نے اُخروی نعمتوں کی لذت نہیں چکھی۔ اگر وہ اُخروی نعمتوں کا مُدّعی ہو تو اُس کا عمل اُس کو جھوٹا ثابت کر دے گا۔ آخرت کے نور کے دیدار کی علامت یہی ہے کہ انسان دنیا سے بیزار ہو جاتا ہے۔ دنیا دار کا ایمان محض تقلیدی ہے مُشاہدے پر مبنی نہیں ہے۔ مُشاہدے والا گمراہ نہیں ہو سکتا اور اُس کے شکوک زائل ہو جاتے ہیں۔ سمندر کی سطح پر جو خشکی کی چیزیں ہوتی ہیں وہ جب تک وہ پانی میں رہتی ہیں اُن پر اِضطراب طاری رہتا ہے۔ جب وہ ساحل سے لگ جاتی ہیں جو اُن کی اصل ہے تو ساکن ہو جاتی ہیں۔ جب مُشاہدہ ہو جاتا ہے تو پھر شیطان، انسان پر قابو نہیں پا سکتا۔ گدھا چونکہ صاحبِ مُشاہدہ نہیں تھا اِس لئے لومڑی کے جھانسے میں آ گیا۔

گدھے کی باتیں ایسی ہی تھیں جیسے کوئی پانی کی تعریفیں کرے لیکن خود اُس نے پانی نہ پیا ہو۔ کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ گدھے نے ظاہری رنگ و بو کو دیکھا اور عقل سے کام نہ لیا۔ صحیح عقل انسان کو مُشاہدے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس کے لئے رُوحانی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ عمدہ قسم کی رُوحانی غذائیں کھانے کے بعد انسان کو مُشاہدہ کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ رُوحانی غذائیں حاصل کرنے کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے جو انسان کی دنیاوی آلائشوں سے پاکی حاصل کرنے میں مددگار بنتے ہیں۔ جسمانی معدہ حیوانی غذاؤں کی طرف رغبت کرتا ہے لیکن رُوحانی معدہ اسرارِ الٰہی کی غذا چاہتا ہے۔ جسمانی غذاؤں والا انسان فنا ہو جاتا ہے جب کہ رُوحانی غذائیں انسان کو قرآن کی طرح متبرک بنا دیتی ہیں۔ زبانی مبلغ کی تقریر اگرچہ پُر شوکت ہوتی ہے لیکن اُس میں

خوف بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ شیخِ کامل اور ناقص مبلغ میں بہت فرق ہوتا ہے۔ شیخ صاحبِ نور ہوتا ہے اور صحیح رہنمائی کرتا ہے اور اُس کی بات میں تاثیر ہوتی ہیں۔

شیخ کامل اور ناقصوں کی بات میں فرق

شیخ راہِ حق سے آگاہ کرتا ہے۔ اُس کی بات کے ساتھ نور بھی منتقل ہوتا ہے۔ انسان کو خود صاحبِ نور بننا چاہیے۔ صحیح بات میں نور اِسی طرح پیوست ہو جاتا ہے جس طرح انگور کے شیرے میں کوئی چیز ڈال کر جوش دیں تو اُس میں انگور کے شیرے کا ذائقہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب علم کا نور میں مربا بن جاتا ہے تو پھر اُس علم کی تاثیر سرکش لوگوں پر بھی ہوتی ہے۔ ابر کا اپنا پانی ہوتا ہے لیکن پرنالے کا پانی اپنا نہیں ہوتا۔ وحی کی مثال ابر کی سی ہے اور فکر اور خیال کی پرنالے کی سی۔ ابر کے پانی سے زمین آباد ہوتی ہے جب کہ پرنالے کے پانی سے پڑوسیوں سے جھگڑا ہوتا ہے۔

چونکہ گدھے کو نورِ باطن حاصل نہیں تھا اِس لئے اُس پر لومڑی کا مکر غالب آگیا۔ نورِ باطن حاصل کرنے کے لئے معدے کو چھوڑ اور دل کی جانب چل۔ مجاہدے کے خنجر سے اپنی نفس کشی کر ورنہ عورتوں کی طرح چادر اوڑھ کر خانہ نشین ہو جا۔ لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں پر دھیان نہ دے، شیخ کے کہنے پر عمل کر۔ شراب کی مستی سے محبت وہی کرے گا جسے شیخ کی محبت کی شاہی شراب کی مستی حاصل نہیں ہوئی ہوگی۔ شیخ کا فیض سینہ کو کوہِ طور بنا دیتا ہے۔ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے تیرا اپنا حال ہے۔ اگر لومڑی گدھے کو ہلاک کر رہی ہے تو کرنے دے' تُو گدھا نہ بن۔ نورِ باطن حاصل کر لے اور پھر بے فکر زندہ رہ۔

وہ شخص جو بیگار سے ڈر گیا

اگر انسان مکمل انسان بن جائے تو پھر گدھوں کو پکڑنے والے سے اُسے کچھ خطرہ نہیں۔ جب تک انسان گدھا ہے وہ فریب کھاتا ہی رہے گا۔ شہر میں گدھے بیگار کے لئے پکڑے جا رہے تھے۔ ایک شخص ڈر کر گھر میں گھس گیا۔ صاحبِ خانہ نے پوچھا: 'تُو تو گدھا نہیں ہے' تو کیوں ڈرتا ہے؟ اُس نے کہا: ظالم بادشاہ کی بیگار کے لئے گدھے پکڑے جا رہے ہیں۔ وہ پکڑ دھکڑ میں اِس قدر سرگرم ہیں کہ مجھے بھی گدھا سمجھ لیں تو تعجب نہیں۔ جب بے تمیز سردار بن جائیں تو گدھے کی بجائے یہ لوگ گدھے والے کو بھی پکڑ سکتے ہیں۔ وہ بولا: لیکن تُو عیسیٰ صفت بن جا خرِ عیسیٰ نہ بن تو تیرا مقام بھی چوتھا آسمان ہوگا۔ ہدایت دینے اور پانے کے لئے انسان کو دنیا میں بھیج دیا گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ اگر تم اصطبل میں ہو تو گدھے ہی ہو۔ داروغہ بھی وہاں ہوتا ہے لیکن وہ گدھا نہیں ہوتا۔ اِسی طرح اہل اللہ دنیا میں رہتے ہیں لیکن دنیا دار نہیں ہیں۔

چوں شود از رنج و علت دل سلیم　　　طعمِ صدق و کذب را باشد علیم

جب دل امراض سے خالی ہو کر صاف ہو جائے　　　تو وہ سچ اور جھوٹ میں فرق پہچان لیتا ہے

دنیا میں پچھی ہوئی سیڑھیاں ہیں جو انسان کو آسمان کی بلندی اور جنت تک لے جاتی ہیں۔ ہر گروہ کی سیڑھی الگ ہے اور ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہے۔ بعض اوقات مرید پر جو تجلی ہوتی ہے شیخ اُس سے بے خبر ہے۔ ہر سالک چونکہ دوسرے سالک کی تجلی سے بے خبر ہے اس لئے وہ دوسرے پر حیران ہوتا ہے۔ قربِ الٰہی اِس قدر وسیع ہے کہ اُس میں طرح طرح کے معارف اُگے ہوئے ہیں۔ ہر درخت کی شاخ و برگ خدا کی تسبیح میں مصروف ہے اور بلبلیں ہر طرف چہک رہی ہیں۔

لُومڑی کا گدھے کو شیر کے پاس لے جانا اور گدھے کا بچ کر بھاگ نِکلنا

لومڑی گدھے کو بہکا کر شیر کے پاس لے گئی۔ گدھا ابھی قریب نہیں پہنچا تھا کہ شیر نے حملہ کر دیا۔ گدھا بھاگ نکلا، شیر اُسے پکڑنے میں ناکام رہا۔ شیر نے لومڑی کی پھر خوشامد کی کہ دوبارہ گدھے کو لالچ دے کر پھر لاؤ کیونکہ بھوک کی زیادتی کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا اور عقل نے صحیح کام نہ کیا۔ تُو یہ احسان کر کہ پھر اُسے بہلا پھسلا کر لے آ۔ اگر خدا نے گدھے کی روزی میرے لئے لکھ دی ہے تو کھا کر قوی ہو جاؤں گا۔ پھر شکار کر کے تمہیں بھی کھلاؤں گا۔ لومڑی بولی: میں کوشش کرتی ہوں لیکن اِس بار جلدی نہ کرنا۔

گدھے تو ہمارے بچوں کا کھلونا ہوتے ہیں۔ یہی حال شیطان اور عوام کا ہے۔ قرآن میں عقلِ کامل کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے "ہم نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" اِس لئے عقلِ کامل کو اللہ کی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ اِسی لئے وہ خدا کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے۔ اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑنے والے پر بدبختی آتی ہے۔ پہلی قومیں عہد شکنی ہی کی وجہ سے آفت میں پھنسیں، کئی کی صورتیں مسخ ہو گئیں۔ حضور ﷺ کی اُمت میں ظاہری تو نہیں لیکن باطنی مسخ ہوتا ہے یعنی دل سور یا بندر بن جاتے ہیں اور قیامت میں ایسے لوگ اپنے دل کی ہی صورت اختیار کر لیں گے۔

عہد توڑنے والوں کی مُصیبت، اُن کا سور اور بندر بن جانا

یہود نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ ہفتے کو مچھلی کا شکار نہ کریں گے لیکن اُنہوں نے وہ عہد توڑ دیا اور اُن کی صورتیں مسخ کر دی گئیں۔ حضور ﷺ کی اُمت میں ظاہری نہیں لیکن باطنی مسخ ضرور ہو گا۔ جب انسان کا دل بندر کا دل بن جائے تو اُس کا جسم بندر کے دل سے بھی بدتر ہے۔ یاد رکھو! حُسن و خوبی میں صورت سے زیادہ دل معتبر ہے۔ اصحابِ کہف کے کتے کا دل بھلا تھا لیکن صورت کی بُرائی سے اُس پر کوئی عیب نہ آیا۔ جسمانی مسخ میں یہ حکمت ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ ویسے باطنی طور پر لاکھوں ممسوخ ہیں جو عہد شکنی کی وجہ سے

فکر اگر جامد بود رَو ذِکر کُن	ایں قدر گفتیم و باقی فکر کُن
اگر تمہاری فکر جم جائے تو ذکر سے اُسے جاری کر	ہم نے اِس قدر بتا دیا ہے باقی خود سوچ

گدھے اور سور بنے ہوئے ہمارے ارد گرد پھرتے ہیں۔

لومڑی کا دوبارہ گدھے کے پاس آنا

لومڑی شیر کے پاس سے دوبارہ گدھے کے پاس آئی تو اُس نے اِس سے پناہ مانگی اور کہا: اے بے ایمان! تو میری جان کی دشمن ہے۔ میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تُو مجھے شیر کے پاس لے گئی۔ اِس کی وجہ تیری باطنی خباثت ہے۔ شیطان بھی باطنی خباثت کی وجہ سے انسان کو بلا وجہ ہلاک کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو کسی خوش کُن جگہ کی طرف بلا کر کنویں میں دھکا دے دیتا ہے۔ اچھے بھلے آدمی کو دنیا کے شور و شر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ انسان نے شیطان کا کچھ بگاڑا تو نہیں ہے۔ لومڑی بولی: جو شیر تجھے نظر آیا اصلی شیر نہ تھا بلکہ ایک طلسم تھا۔ طلسم بنانے کی وجہ یہ ہے کہ ہر کوئی اُس چراگاہ کو نہ کھا جائے۔ میری غلطی ہے کہ پہلے تمہیں طلسم کے بارے میں نہیں بتایا۔

گدھے نے کہا: میں تجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتا میرے سامنے سے چلی جا۔ اگرچہ میں گدھا ہوں لیکن ہلاک ہونا کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ میں نے عہد کیا ہے کہ اب میں کسی کے بہکاوے میں نہیں آؤں گا۔ اب مکر کرنے کے لئے شیر نے تجھے دوبارہ بھیجا ہے۔ میں تیرا ساتھی نہیں بن سکتا۔ بُرا ساتھی تو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ ساتھی کی خُو بُو انسان میں مخفی طور پر اثر کر جاتی ہے۔ انسان کتنا ہی عقل مند ہو بُرے دوست کی صحبت اُس کو اندھا کر دیتی ہے۔ دنیا میں بُرے یار سے بُری کوئی چیز نہیں ہے۔ تیری وجہ سے تو مجھے اس کا حق الیقین حاصل ہو گیا ہے۔ لومڑی بولی: میری کوئی خطا نہیں ہے لیکن وہم بھی کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ وہم کی بنیاد پر دوستوں سے بدظنی مناسب نہیں ہے خواہ کبھی اُن سے کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے۔ بدگمانی سے تو بہت سی دوستیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ دوست آزمائش کے لئے کچھ زیادتی بھی کرتا ہے تو عقل مندی یہی ہے کہ بدگمانی نہ کی جائے۔ وہم انسان کے راستے کی بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہم کی بنیاد پر ہی ستارے کو کہہ دیا کہ یہ میرا خدا ہے۔ تو گدھا وہم کی بنیاد پر کیا کچھ نہ سمجھ لے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عقل اپنی جگہ قائم تھی لیکن وہم نے غلطی میں مبتلا کر دیا، اِس لئے کشتی نوح علیہ السلام کے بغیر بچاؤ ناممکن ہے۔ حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے اہلِ بیت کی مثال کشتی نوح علیہ السلام کی سی ہے۔ جو اُن سے وابستہ ہوا وہ نجات پا جائے گا"۔ اُسی طرح اپنی سُنت کے بارے میں بھی فرمایا۔ اُمت میں بہتر فرقے اِسی وہم کی بنیاد ہی بن جائیں گے۔ حدیث میں ہے میری اُمت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سے ایک نجات پا جائے گا بقیہ جہنمی ہوں گے۔ فرعون نے بھی وہم ہی کی بنیاد پر خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر، فکر کو حرکت میں لے آتا ہے

ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز
اِس ٹھٹھرے ہوئے کو ذکر کے سُورج سے گرمی پہنچا

انسان کے لئے اپنے وہم کا علاج ہی مشکل ہے تو وہ دوسرے کے وہم کا کیا علاج کرے گا۔ انسان خودخودی میں مبتلا ہو تو دوسروں کی خودی کا علاج نہیں کر سکتا۔ خودی والا انسان تو اپنے آپ پر عاشق ہوتا ہے۔ اُسے مقامِ فنا کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اِس لئے ایسے شیخ کی تلاش کرنی چاہیے جو اپنی انانیت اور خودی کو فنا کر چکا ہو۔ پھر اُس کی اطاعت ضروری ہے۔ جو اپنی خودی کو فنا کر دیتا ہے تو پھر اُس میں مخلوقِ خدا کی خودی ہے تو وہ جملہ خلق اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ جب انسان کے دل میں خود اپنا نقش نہیں ہے تو اُس دل کی قدر و قیمت بہت ہے۔

شیخ محمد سررزی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

غزنی میں ایک نہایت عمدہ درویش محمد سررزی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔ دنیا کی کسی چیز کی طرف اُن کی توجہ نہ جاتی تھی اور ہمیشہ دیدارِ خداوندی کے خواہش مند رہتے تھے۔ دنیا سے اُن کا دل بھر چکا تھا۔ وہ زندگی سے اِس قدر بیزار ہو گئے کہ اُنہوں نے سوچا میں پہاڑ کی چوٹی سے نیچے چھلانگ لگا دوں۔ دیدارِ جمال کی درخواست پر اُن کو جواب ملا کہ ابھی تک تم اُس مقام تک نہیں پہنچے جس میں دیدار ہو سکے اور اگر تم نے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تو تمہیں مرنے نہیں دیا جائے گا۔ وہ پہاڑ سے کود پڑے لیکن پانی میں آ کر گرے۔ جب وہ نہ مرے تو زار و قطار رونے لگے۔ لوگوں کو زندگی عزیز ہوتی ہے' یہاں اُلٹی بات ہو گئی۔ اُن کو موت کی تمنا تھی کیونکہ اُنہیں یقین تھا کہ مرنے کے بعد دیدارِ جمال ہوگا۔ اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کو اسبابِ موت دنیا کی لذتوں سے زیادہ پیارے تھے۔ چونکہ اللہ نے اُن کو اُس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچانا تھا جس سے دیدارِ جمال ہو تو اُن کو ہدایت کی گئی کہ شہر میں جائیں اور بھیک مانگیں۔ اُنہوں نے منظور کر لیا۔

اِس غیبی اشارے کے بعد جب وہ غزنی میں پہنچے تو لوگوں نے اُن کے استقبال کے لئے شہر کو سجایا لیکن وہ بلا اطلاع کسی خفیہ راستے سے شہر میں داخل ہو گئے اور اپنے لئے اِس اعزاز کو پسند نہ فرمایا۔ لوگ ملے تو اُنہوں نے بتایا کہ میں شہر میں خودنمائی کے لئے نہیں آیا۔ میں تو اپنے آپ کو ایک ذلیل بھک منگا سمجھتا ہوں اور یہاں فقیروں کی طرح مانگوں گا تاکہ اچھی طرح ذلیل ہوں اور لوگ مجھے بُرا بھلا کہیں۔ خدا اگر لالچ اور طمع کا حکم دے تو پھر قناعت ذلت ہے اور ذلت میں عزت ہے۔ جب اللہ کسی سے ذلت کا طالب ہو تو طالبِ خدا عزت کو پسند نہیں کرتا۔ میں شہر کا سب سے بڑا بھکاری بنوں گا اور "خدا کے نام پر کچھ دو" کا نعرہ لگاؤں گا۔ شیخ کا مقام عرش و کرسی سے بھی بلند تھا لیکن اُنہوں نے بھکاری پن اختیار کیا۔ انبیاء علیہم السلام بھی غریب لوگوں سے کہتے ہیں: اَقْرِضُوا اللّٰہَ یعنی "اللہ کو قرض دو" اور اَنْصُرُوا اللّٰہَ یعنی "اللہ کی مدد کرو" حالانکہ مخلوق خود قرض اور مدد کی محتاج ہے۔ شیخ دربدر مارے مارے پھرتے تھے حالانکہ آسمان میں سینکڑوں

وقتِ محنت می بری زاللہ بُو
مصیبت کے وقت تُو اللہ کا بخوبی پتہ لگا لیتا ہے

چونکہ محنت رفت گوئی راہ کو
لیکن جونہی وہ دُور ہوتی ہے تُو اُسے بھول جاتا ہے

دروازے اُن کے لئے کھلے تھے۔ شیخ کا یہ بھکاری پن اپنے لئے نہیں تھا بلکہ خدا کے حکم کے مطابق تھا۔ اگر وہ اپنے لئے بھی کرتے تو پھر بھی اب وہ اُس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ اُن کا کھانا پینا اُن کے لئے نور کا پینا تھا اور اُن کے لئے دنیا کی لذتیں عام سالکوں کے مجاہدوں سے بہتر تھیں۔ جن کی غذائیں صرف بدن کے لئے ہوتی ہیں اُن کے لئے خدا کا حکم ہے "کھاؤ پیو مگر حد سے تجاوز نہ کرو" لیکن جن کی غذا نور بنتی ہے اُن کے لئے حکم ہے "جتنا چاہو کھاؤ"۔ درویش کا کھانا پینا امرِ خداوندی سے ہے، حرص اور لالچ پر مبنی نہیں۔ اگر سونا بنانے والا کیمیا تانبے کو کھالے تو تانبے کا ہی فائدہ ہے۔

شیخ جو بھیک مانگ رہے تھے اُس میں خدائی حکمتیں تھیں۔ خدا نے اُن کو زمین کے سارے خزانے پیش کر دیئے لیکن اُنہوں نے کہا: اگر میں زر کا طالب ہوں تو عاشق نہیں فاسق ہوں۔ اگر کوئی جنت کے شوق یا دوزخ کے خوف سے عبادت کرے تو وہ عاشق نہیں ہے کیونکہ عاشق مزدوری نہیں چاہتا۔ اللہ کے عاشق کا مقام بہت بلند ہے۔ لیلیٰ کے عاشق کے لئے بھی دنیا کی سلطنت ہیچ تھی۔ مجنوں میں حیوانی صفات ختم ہو چکی تھیں اور ملکوتیت کے درجے پر تھا۔ عاشق کا گوشت زہریلا ہوتا ہے، درندے اُس سے ڈرتے ہیں۔ ہر چیز عشق کی خوراک ہے۔ عبادت کسبی چیز ہے عمل میں آسکتی ہے لیکن عشق عطیہ خداوندی ہوتا ہے۔ عبادت گزار آزادی چاہتا ہے جب کہ عاشق ہمیشہ کی گرفتاری کا طالب ہے۔ عبادت گزار انعام کا طالب ہوتا ہے لیکن عاشق صرف دیدار کا خواہاں ہے۔ عشق کی حقیقت ناقابلِ بیان ہے۔ وہ تو سمندر کی طرح ہے جس کے قطرے گنے نہیں جا سکتے۔ اُس کی باتیں بیان کرنا ناممکن ہے۔

"لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ" کے معنی

اِس قدر بڑے بزرگ اور عشق اُن سے گداگری کرا رہا ہے۔ عشق کے کارنامے ایسے ہی ہوتے ہیں جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتے۔ عشق ہی کی عظمت ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کو لگا تو خدا نے اُن کے بارے میں فرمایا کہ "اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمان بھی پیدا نہ کرتا"۔ تمام انبیاء علیہم السلام میں عشق تھا لیکن آنحضور ﷺ میں بدرجہ اتم تھا۔ یہ آسمان کی بلندی کا ذکر تو محض سمجھانے کے لئے ہے۔ زمین اور مٹی پیدا کرنے کی منفعت عاشقوں کی ذلت سمجھانے کے لئے ہے کہ پہلے خشک رکھی جاتی ہے پھر اُس میں گل و گلزار اُگائے جاتے ہیں۔ پہاڑوں کے جماؤ کی مثال عاشقوں کے یقین کے جماؤ کی سی ہے۔ عشق دراصل ایک معنوی چیز ہے، زمینی الفاظ کا استعمال محض سمجھانے کے لئے ہے۔ غصہ ایک معنوی چیز ہے اور ہم اُسے کانٹا کہہ دیتے ہیں۔

شیخ اشارۂ غیبی سے ایک دن ایک امیر کے گھر چار مرتبہ بھیک مانگنے گئے۔ جس پر امیر نے آپ کو بہت بُرا بھلا کہا۔ وہ

دَر زمانِ درد وغم یادش کُنی	چوں شدی خوش باز بر غفلت تنی
درد وغم کے وقت تمہیں وہ یاد رہتا ہے	لیکن خوشی کے وقت تُو اُس سے غافل ہو جاتا ہے

بار بار کہہ رہے تھے اللہ ایک روٹی مانگتا ہے۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ خدا خود غنی ہو کر شیخ کے ذریعے روٹی مانگتا ہے۔ اُس امیر نے شیخ سے کہا: اے کمینے! ایک روٹی کے لئے بار بار اس قدر تگ و دو کیوں کر رہے ہو؟ یہاں کوئی تیرا قیدی یا غلام ہے جو بار بار تیری خدمت کرے۔ شیخ کے دل میں عشق کی آگ لگی تھی، کہنے لگے: مجھ میں روٹی کی حرص نہیں ہے، میں اللہ کے حکم سے ایسا کرتا ہوں۔ میں نے سات سال جنگلوں میں پتوں پر گزارہ کیا ہے۔

وہ ذہین لوگ جنہوں نے علوم میں طرح طرح کی موشگافیاں کی ہیں اُن کو بھی عشق کا علم حاصل نہ ہوسکا۔ یہ لوگ بڑے بڑے باریک بین تھے لیکن حیرت ہے کہ اُن کو عشق نظر نہ آیا۔ شیخ نے امیر سے کہا: میں اپنے عشق کی پوری کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ تُو نے اپنی عیش و عشرت کی زندگی کی وجہ سے مجھ پر بدگمانی کی ہے، تجھے اس میں احتیاط برتنی چاہیے۔ احتیاط کے مختلف مرتبے ہیں۔ اگر کوئی فاسق اور کاذب کوئی خبر دے تو احتیاط فرض ہے۔ اگر کوئی نیک آدمی خبر دے تو احتیاط جائز ہے اور اگر خدا و رسول کوئی خبر دے تو اُس میں احتیاط برتنا حرام ہے۔ شیخ نے امیر کو نصیحت کی اور زار و قطار رونے لگے۔ اُن کی سچائی کے اثر کی وجہ سے امیر بھی رونے لگا۔ عاشق کی سچائی جانداروں پر ہی نہیں بے جانوں پر بھی اثر کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سچائی نے لاٹھی کو اژدہا بنا دیا اور کوہِ طور لرزنے لگا۔ حضور ﷺ کی سچائی نے چاند کو شق کر دیا اور سورج اپنی چال بھول گیا۔ شیخ اور امیر دونوں رو رہے تھے۔ جب بہت دیر تک رو چکے تو امیر نے کہا: میرے گھر میں جو کچھ ہے آپ کا ہے، جو چاہیں لے لیں۔ شیخ نے کہا: مجھے خدا کا یہ حکم نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ سے کچھ لے لوں۔ دراصل شیخ کو ایسا منظور ہی نہ تھا کیونکہ اُس کا پیش کرنا اللہ کے نام پر نہیں بلکہ شیخ کی عظمت کی وجہ سے تھا۔ امیر اگرچہ سچا تھا لیکن شیخ نے اُس کی سچائی کو پسند نہ فرمایا۔ شیخ نے فرمایا، ہم تو خدائی حکم سے بھیک مانگتے ہیں ورنہ ہم اموال سے بے نیاز ہیں۔

دو سال شیخ سے بھیک منگوانے کے بعد اُن کو حکم ہوا کہ اب تک تم نے مانگا اور فقیروں کو کھلایا۔ اب بغیر مانگے فقیروں کو دو۔ جو چاہو بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرو اور بانٹ دیا کرو۔ آنحضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھجوروں کا ایک تھیلا عنایت فرمایا تھا۔ وہ اُس میں سے بے حساب خرچ کرتے اور کھاتے۔ یہ تھیلا اُن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت گم ہوگیا۔ عالمِ اسباب کے علاوہ ایک دوسرا عالم ہے جہاں اشیاء کا وجود بغیر کسی سبب کے ہو جاتا ہے اور اُس کا ظہور اس عالم میں ہو جاتا ہے۔ معجزوں کا تعلق اُسی عالم سے ہے اور اُن کا ظہور اس عالم میں ہو جاتا ہے۔ دو سال تک شیخ سرزی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ طریقہ کار رہا کہ وہ بھیک مانگتے اور غریبوں کو کھلاتے اور پھر وہ اپنے بوریئے کے

ایں ازاں آمد کہ حق را بے گماں یہ اسلئے ہے کہ حق کو جو شخص یقین سے مانتا ہے	ہر کہ بشناسد بوَد دائم بَراں وہ پہچانتا ہے اور ہمیشہ اُس پر قائم رہتا ہے

نیچے ہاتھ ڈال کر جو چاہتے حاصل کر لیتے۔ بوریئے کے نیچے ہاتھ ڈالنے کا حکم محض نظرِ بد سے بچانے کے لئے ہے کیونکہ تیرا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جو بغیر سبب بھی عنایات کر دیتا ہے۔ ایک سال تک اُنہوں نے اس طرح خدمت کی۔

شیخ لوگوں کی ضرورت کو خود بخود جان جاتے اور ضرورت پوری کر دیتے۔ یہ اِس لئے تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو چکے تھے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ دل کی بات کیسے جان لیتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا: ہم لوگوں کا دل جنت کی طرح احتیاج سے خالی ہے۔ اِس میں سوائے عشقِ خداوندی کے کچھ نہیں ہے۔ اب ہمارے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ مانگنے والے کا عکس ہوتا ہے۔ اِس طرح ہم فقیر کی ضرورت جان جاتے ہیں۔ دل کو اِس حالت میں لانے کے لئے مجاہدے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب دل میں گدلا پَن نہ رہے گا تب اُس میں بیرونی عکس نظر آسکے گا۔ بدن کیچڑ سے بنا ہے اُس کی صفائی کے لئے بہت محنت درکار ہے۔ تُو ہر وقت خواب و خور میں لگا ہے جس سے دل کی کدورت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب آپ کے دل میں صفائی پیدا ہو جائے گی تو ہر خارجی چیز کا عکس اُس میں نظر آئے گا۔ جب انسان گدھے پَن میں مبتلا ہے تو عیسیٰ تو نہ بن سکے گا ہاں خرِ عیسیٰ ہو گا۔ انسان زُہد اختیار کر کے خیالات سے دل کو پاک کرتا ہے تو اُس کا جسم خیال کی طرح لطیف ہو جاتا ہے اور وہ عکس قبول کر لیتا ہے۔

لومڑی کا گدھے کے خیالات پر غالب آجانا

گدھے کی حرص صبر پر غالب آگئی۔ اِسی طرح روٹی کے عشق نے بہت سوں کو ہلاک کیا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ''فقر قریب ہے کہ کفر بن جائے''۔ بھوک انسان کو کافر بنا دیتی ہے۔ گدھے نے بھی سوچا اگر یہ لومڑی کا مکر ہی ہے تو پھر بھی بھوک سے بار بار مرنے سے بہتر ہے کہ ایک بار موت آجائے۔ لالچ انسان کو اندھا بہرا بنا دیتا ہے اور موت کو آسان کر دیتا ہے، جس طرح گدھے نے موت کو پسند کر لیا۔ احمقوں اور گدھوں کی زندگی ابدی نہیں ہوتی اور انسان شقاوت اور حماقت کے ذریعے مرنا پسند کر لیتا ہے لیکن انسان کو ابدی زندگی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اُس گدھے کو اللہ کی رزاقی کا یقین نہیں تھا۔ خدا بھوک میں بھی مبتلا کرتا ہے تو اِس میں بھی اُس کی مصلحت ہوتی ہے۔

پرہیز اور بھوک کی فضیلت کا بیان

بغیر بھوک کے اگر انسان کھانا کھاتا ہے تو ہیضہ اور بدہضمی ہو جاتی ہے اور پھر اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اِس لئے بھوک کی تکلیف بیماریوں کی تکلیف سے بہتر ہے، اِس سے جسم میں پاکیزگی اور ہلکاپن اور کارکردگی بہتر ہوتی ہے۔ فاقہ سے بہت سی بیماریاں خود دُور ہو جاتی ہیں۔ بھوک میں جَو کی روٹی بھی پلاؤ قورے کا مزہ دیتی ہے اور بغیر بھوک کے لذیذ

واں کہ در عقل و گمان ہستش حجیب لیکن جس شخص کی عقل اور گمان پر پردہ ہے	گاہ پوشیدہ است گہ بدریدہ جیب کبھی اللہ اُس کی عقل سے پوشیدہ ہوتا ہے کبھی ظاہر

کھانے بھی بدمزہ لگتے ہیں۔ کسی نے ایک شخص سے پوچھا یہ جَو کی روٹی اتنے شوق سے کیوں کھا رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا میں بھوک لگا کر اور صبر سے کام لے کر جَو کی روٹی کا حلوہ بنالیتا ہوں۔ بھوک وہ نعمت ہے جو ہر کسی کو میسر نہیں آتی۔ یہ صرف خاصانِ خدا کا حصہ ہے جس سے وہ رُوحانی شیر بن جاتے ہیں۔ زیادہ کھانے والے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تُو دریائے معرفت کا پرندہ نہیں ہے، تُو مرجانے والا ہے۔ تیری زندگی سے بھوک کی موت بدرجہ بہتر ہے۔

ایک مُرید کے دِل کی حِرص سے شیخ واقف ہوگیا، اُن کی نصیحت سے اللہ نے اُسے توکل کی دَولت بخش دِی

ایک شیخ اپنے مرید کے ساتھ اُس شہر کی طرف جا رہے تھے جہاں قحط تھا۔ مرید روٹی کی حرص کی وجہ سے پریشان تھا۔ شیخ اُس کے دل کی کیفیت جان گئے اور اُسے کچھ نصیحتیں کیں اور باطنی تصرف سے اُس میں توکل کی طاقت پیدا کردی۔ اُنہوں نے مرید سے کہا: انسان رزق کا اتنا عاشق نہیں ہے جتنا رزق انسان کا عاشق ہے۔ وہ اُس سے کہتا ہے: ٹھہر جا! میں تیرے پاس پہنچتا ہوں کیونکہ وہ انسان کی بے صبری کو جانتا ہے۔

ایک بیل کا قصہ سُن لو جو رزق کے فکر میں گھلا جاتا تھا۔ وہ بیل دن بھر چراگاہ میں چر کر موٹا تازہ ہوجاتا لیکن رات کو اِس فکر میں گھلتا کہ شاید صبح کھانے کو کچھ نہ ملے اور اِسی فکر میں پھر دبلا ہوجاتا۔ یہی حال اِس دنیا میں انسان کا ہے کہ کھالیتا ہے پھر بھی بھوک کی فکر میں مبتلا رہتا ہے۔ ایک عرصہ دراز تک اُس بیل کی یہی حالت رہی یعنی دن کو کھا کر موٹا ہوجاتا، رات کو کل کی فکر میں دبلا ہوجاتا اور کبھی یہ نہ سوچتا کہ فکر کے باوجود خوراک تو مجھے حاصل ہو ہی رہی ہے اور کسی روز بھی کم نہیں ہوتی تو میں کیوں روزی کا غم کروں۔ انسان بھی اِسی طرح غم میں گھلتا رہتا ہے کہ ہائے! کل کو کیا کھاؤں گا؟ یاد رکھو! جس قدر لذیذ غذائیں انسان کھاتا رہتا ہے، خدا اِسی طرح دیتا رہے گا۔ اِس لئے کل کے فکر میں نہ پڑ۔

شیر نے گدھے کو شکار کرلیا اور اُس کا پیٹ بھر گیا تو وہ پانی پینے کے لئے چلا گیا۔ لومڑی نے اُس کی غیر حاضری میں گدھے کا دل، جگر، گردہ وغیرہ کھالئے۔ شیر نے دریافت کیا کہ گدھے کا دل، گردہ وغیرہ کہاں ہیں؟ تو لومڑی بولی: اگر گدھے کے دل، گردہ وغیرہ ہوتے تو پھر وہ دوبارہ بے وقوف بن کر تیرے پاس کیوں آتا۔ دوزخی دوزخ میں کہیں گے: اگر ہم صحیح بات سُن لیتے اور سمجھ جاتے تو آج دوزخ میں نہ ہوتے۔ شیر نے کہا: دل اور جگر تو ہر جانور میں ضرور ہوتے ہیں، اِس گدھے کے کہاں ہیں؟ لومڑی بولی: اگر اِس گدھے کے ہوتے تو یہ دوبارہ تیرے پاس کبھی نہ آتا۔

جس عضو کا جو کام مقرر ہے اگر وہ عضو اپنا کام نہیں کرتا تو گویا وہ عضو ہی نہیں۔ دل میں جب نور نہ ہو تو وہ دل ہی

پس نُجاں کُن وصلِ جاناں را طلب
اِس لئے ہمیشہ محبوب کے وصل کی طلب میں رہ

بے لب وبے کام می گو نام رَب
بغیر ہونٹوں اور بولنے کے رب کا نام لیتا رہ

نہیں۔ انسان میں رُوحِ انسانی نہ ہو تو وہ محض مٹی کا پُتلا ہے۔ شیشے میں روشنی نہیں تو وہ قندیل نہیں بلکہ قارورہ ڈالنے والی شیشی ہے۔ چراغوں اور قندیلوں میں تعدد اور دُوئی ہے لیکن اُن میں سے جو روشنی نکلتی ہے اُس میں وحدت ہے۔ یہود نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام پر نظر کی تو اُن میں تعدد سمجھا۔ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کیا۔ مومن اجسام اور ظروف پر نظر نہیں رکھتا بلکہ رُوح اور نور کو دیکھتا ہے، جس میں وحدت ہے۔ وہ نبیوں میں کسی میں فرق نہیں کرتا۔ نہر وہ ہے جس میں پانی ہو اور آدمی وہ ہے جس میں رُوح ہو۔ عوام انسان نہیں ہیں، مورتیں ہیں اُن کو زندہ بھی نہ سمجھو۔ یہ شہوت اور روٹی کے مقتول ہیں۔ بظاہر دنیا میں انسان بہت زیادہ نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت انسان بہت کمیاب ہیں۔

ایک درویش جو اپنی باطنی حالت کی وجہ سے دِن کو چراغ جلا کر بازاروں میں چکر لگاتا تھا

ایک خدا کا عاشق دن میں چراغ جلائے ہوئے کچھ ڈھونڈتا پھرتا تھا۔ ویسے دن میں چراغ جلا کر کچھ تلاش کرنا مذاق اور دل لگی کی بات ہے۔ کسی نے پوچھا: تُو کیا تلاش کر رہا ہے؟ اُس عاشقِ خدا نے کہا میں آدمی کی تلاش میں ہوں جو اللہ کی عطا کردہ رُوح سے زندہ ہو لیکن مجھے کوئی انسان ملتا نہیں ہے۔ وہ شخص بولا: یہ سارا بازار انسانوں سے پٹا پڑا ہے اور تجھے کوئی انسان نظر ہی نہیں آتا۔ عاشقِ خدا نے جواب دیا: میں ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں جو دو حالتوں یعنی غصہ اور حرص کے وقت سیدھے راستے پر چلتا ہو۔

ظفر آدمی اُس کو نہ جانیے گا ہو وہ کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خُدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خُدا نہ رہا (بہادر شاہ ظفر)

وہ بولا: اگر ایسا آدمی مجھے مل جائے تو میں اُس پر جان قربان کر دوں۔ وہ شخص بولا: ایسا انسان ملنا تو دشوار ہے کیونکہ انسان تقدیر کا پابند ہے۔ انسان کا اپنا اختیار کہاں ہے۔ تقدیرِ خداوندی تو آسمان کو بھی راستے سے بھٹکا دیتی ہے۔ تقدیر کے سامنے تدبیر ہیچ ہے۔ تُو سمجھتا ہے کہ راستہ تیرے قدم طے کرتے ہیں۔ یہ تیری خام خیالی ہے، تُو ظاہر پر نظر رکھتا ہے اور باطن تجھ سے پوشیدہ ہے۔ اسبابِ ظاہری بغیر مؤثرِ حقیقی کے کچھ اثرات نہیں رکھتے۔ اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے بھی کہہ دیا تھا کہ تُو اپنے صبر کو نہ دیکھ صبر دینے والے کو دیکھ۔ تُو دعویٰ تو کرتا ہے کہ تُو حقیقی سبب کو دیکھتا ہے لیکن حقیقی سبب کو دیکھنے والی ایک بھی علامت تجھ میں نہیں۔ تُو مقامِ حیرت میں پہنچتا تو دریائے حقیقتِ باری پر نظر کرتا۔ تُو تعینات کو اصل سے جدا چیز سمجھتا ہے اور لاحاصل سجدے کرتا ہے۔ جو شخص دریائے وحدت پر نظر رکھتا ہے اُس کو محمود حیرانی حاصل

تا رہی زیں حبس و ایں فانی جہاں
تاکہ تُو اِس فانی جہان کی قید سے نجات پا جائے

در جہانِ جاں بمانی جاوداں
جب تیری رُوح ذاکر ہو جائے گی تو ابدی زندگی حاصل ہوجائیگی

ہوتی ہے۔ تعینات کو دیکھنے والا اپنے آپ کو دریائے وحدت سے جدا تصور کرتا ہے۔ اپنے عمل کو اپنی طرف منسوب سمجھ کر مختلف نیتیں اچھی بُری کرتا ہے لیکن جس نے بحرِ حقیقت کو دیکھ لیا ہے اُس کا دل اِس قدر وسیع ہے کہ وہ سب کچھ منجانب اللہ سمجھتا ہے۔ جو شخص دریائے حقیقت سے غافل ہے وہ اپنے افعال کو شمار کرتا ہے کہ کچھ اختیاری ہیں اور کچھ اضطراری۔ جس کی نظر دریا پر ہے وہ اپنے اختیاری افعال کو بھی سمجھتا ہے کہ یہ اختیار بھی خدا کا عطا کردہ ہے۔ وہ خدا میں غرق ہو جاتا ہے۔ وہ بے خود اور بے انانیت ہوتا ہے۔

آں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد
"جس کو اُس (اللہ) کی خبر ہوگئی پھر اُس کی خبر کسی کو نہیں ہوتی"۔

مُسلمان کی آتش پرست کو اِسلام کی دعوت اور اُس کا جواب

آتش پرست نے جواب دیا: اگر خدا چاہے تو میں مومن بن جاؤں گا اور اگر مزید مہربانی ہوئی تو میں عین الیقین کا درجہ حاصل کرلوں گا۔ مومن نے کہا کہ خدا تو تجھے مومن بنانا چاہتا ہے تاکہ تجھے دوزخ سے نجات مل جائے لیکن تیرا نفس اور شیطان تجھے بُت خانے کی جانب کھینچ رہے ہیں۔ آتش پرست نے کہا کہ اگر نفس اور شیطان کا چاہا ہوا ہو رہا ہے تو وہ طاقت ور ہیں اور مجھے طاقت ور ہی کا ساتھ دینا چاہیے۔ اگر خدا مجھ سے سچائی چاہتا ہے اور نفس اور شیطان کے مقابلے میں اُس کی کچھ نہیں چلتی ہے تو اُس کے چاہنے کا کیا فائدہ۔ اگر کوئی ایک اچھا مکان بنا کر اُس کو مسجد بنانا چاہے اور کوئی دوسرا اُس پر غالب آکر اُس کو بُت خانہ بنا دے تو مسجد بنانے والے کی خواہش کا کیا فائدہ ہوا۔ اگر تُو نے کپڑا اس لئے بُنا کہ تُو اُس کی قبا بنائے اور تیرا مخالف آکر اُسے شلوار بنا دے تو کپڑے کے لئے اور کیا چارہ ہے کہ مخالف کے سامنے مغلوب ہوجائے۔ غاصب کے سامنے تو سب عاجز ہوتے ہیں۔ جب نفس اور شیطان غالب ہوں تو یہ کہنا کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ایک مذاق کی بات ہوئی۔ میں خواہ آتش پرست ہوں تو میں یہ خیال نہیں کرسکتا کہ اللہ کا چاہا ہوا نہ ہو اور نفس اور شیطان کی خواہش پوری ہو۔ اگر خدا اور شیطان کی یہی حالت ہے تو پھر خدا کی بجائے شیطان کا بندہ بن جانا چاہیے۔ اِس حالت میں اگر شیطان کی بجائے خدا کی بندگی کی جائے گی تو شیطان دشمن بن جائے گا اور خدا کوئی مدد نہ کرسکے گا۔ اگر شیطان ہی کا منشا پورا ہوتا ہے تو پھر شیطان کے علاوہ میرا بھلا اور کون کرسکتا ہے۔

مومن نے کہا: ایسا نہیں ہے۔ اللہ اس سے پاک ہے کہ اُس کا ارادہ پورا نہ ہو۔ اُس کی خدائی میں ایک ذرّہ اُس

چُوں قضا آید فرو پوشد بصر
جب قضا آتی ہے تو آنکھیں بند کر دیتی ہے

تا نداند عقل ما پا را ز سر
تاکہ ہماری عقل کچھ بھی نہ سمجھ سکے

کے حکم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ دنیا اور آخرت اُس کی مِلک ہیں۔ شیطان اُس کے دَر کا معمولی سا کتا ہے جو اُس کے دروازے پر منہ اور سر رکھے ہوئے ہے۔ گھر کے بچے پالتو کُتے کی دم کھینچتے ہیں وہ کچھ نہیں کہتا لیکن کوئی اجنبی آ جائے تو شیر کی طرح حملہ کرتا ہے۔ کتا مالک کی دی ہوئی معمولی غذا کھانے پر اُس کا وفادار ہے تو شیطان جسے خدا نے پیدا کیا وہ اللہ کے دربار میں اُس کے حکم پر کیوں قربان نہ ہوگا۔ اللہ کے دربار کے غار کے سامنے شیطان کتے کی طرح بیٹھا ہے اور اس کا ذرہ ذرہ اللہ کے حکم کا منتظر ہے۔ اللہ نے شیطان کو اس لئے بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ دربار میں پہنچنے والوں کا اِمتحان کرے اور سچائی کو پہچان لے۔ جو سچائی میں مکمل نہیں ہیں اُن کو دربار تک نہ پہنچنے دے۔ لہٰذا شیطان کا وجود انسان کے اختیار کے منافی نہ ہوا۔ "اَعُوْذُ بِاللہِ" کی تعلیم اِسی لئے دی گئی ہے کہ دربار میں پہنچنے والوں پر اگر شیطان کتا بھونکے تو وہ اَعُوْذُ کے مالک کو پکار کر کہیں کہ اِس کتے کو راستے سے ہٹا دے تاکہ وہ حاضر ہوسکیں۔ اگر کتے کا مالک تُرک خود کتے سے عاجز ہو جائے تو پھر اَعُوْذُ پڑھنا بے کار ہے۔ اگر خیمے والا تُرک یہ کہے کہ کتے کے ڈر سے اے مہمان! تُو اندر نہیں آ سکتا اور میں اِسی وجہ سے باہر نہیں نکل سکتا تو ایسے میزبان تُرک اور مہربان کے سر پر خاک ہو۔ خیمے کے مالک تُرک سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کتے سے ڈرے۔ کتا تو کیا اُس کی ڈانٹ سے شیر بھی خون کی قے کردے۔ انسان جو خلیفۃ اللہ ہے وہ شیطان کے ڈر سے مغلوب ہو جائے تو یہ اُس کے شایان نہیں ہے۔ اللہ کا خلیفہ ہونے کے ناتے تُو مالک ہے اور جب مالک خود کتے سے ڈرے تو کتا اُس کے لئے کیا شکار کرے گا۔

انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم کے مُطابق جبر و قدر کا بیان

جبر اور قدر کے معاملے میں جو درست مسلک ہے وہ بین بین ہے۔ اُس کی ایک جانب جبر ہے۔ اِس عقیدے کی رُو سے انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جب انسان کو اختیار نہ ہو تو پھر اُس کو اللہ کا حکم دینا اور منع کرنا درست نہ ہوگا۔ لہٰذا اِس عقیدے کے مطابق اُن میں تاویل کرنی ہوگی اور پھر اُن تاویلات کے نتیجے میں دوزخ اور جنت کا انکار لازم آئے گا۔ اِس لئے کہ جنت تو اختیاری طور پر حکم بجا لانے کا انعام ہے اور دوزخ نہ ماننے والوں کی سزا ہے اور اِس مسلک کے بائیں جانب قدر کا عقیدہ ہے۔ جس کی بنیاد پر انسان کو اپنے افعال کا خالق مانا جاتا ہے اور اللہ کی قدرت کو انسان کی قدرت سے مغلوب ماننا پڑتا ہے اور اُس کے نتائج جبر کے عقیدے سے بھی بدتر ہیں۔ انسان کو حکم دیا جاتا ہے، پتھروں کو کوئی حکم نہیں دیتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انسان میں قدرت اور اختیار ہے۔ جس چیز کی انسان میں قدرت نہیں اور اختیار نہیں اِس چیز کے بارے میں کوئی اُس کو حکم نہیں دیتا۔ انسان سے کوئی نہیں کہتا کہ تُو

چُوں قضا آید طبیب ابلہ شَوَد
جب قضا آتی ہے طبیب نادان بن جاتا ہے

وَاں دَوا دَر نفع ھَم گمرہ شَوَد
اور دَوا شفا کی خاصیت کھو دیتی ہے

اُٹھ۔ انسان سے جس قدر مطالبات ہیں وہ صاحبِ اختیار اور قدرت ہونے کی وجہ سے ہیں۔ انسان ظلم وستم کرنے اور نہ کرنے میں بااختیار ہے، جب ظلم کرتا ہے تو اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے۔ نفس اور شیطان خود انسان کا اپنا ارادہ ہے۔ جب تک کسی طرح کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا تو انسان کا اختیار سویا رہتا ہے، جیسے کہ جب تک حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں دیکھا عورتوں کا وہ اختیار سویا رہا، جب اختیار جاگا تو ہاتھوں کو زخمی کر دیا۔

جب تک کتا ہڈی نہیں دیکھتا ہے تو سوتا رہتا ہے۔ ہڈی دیکھ کر دُم ہلانا شروع کر دیتا ہے۔ داعیہ کو دیکھنا اختیار کو بیدار اور متحرک بنا دیتا ہے۔ شیطان تیرے معشوق کا پیغام لاتا ہے تو دلالہ کا کام کرتا ہے اور تیرا خوابیدہ اختیار حرکت میں آجاتا ہے اور تُو بُرائی کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اللہ کا فرشتہ شیطان کے برخلاف باتیں پیش کر کے دل میں کشمکش پیدا کرتا ہے تا کہ شر کی بجائے خیر والا اختیار بیدار ہو جائے۔ فرشتہ اور شیطان تو تیرے اندرونی اختیار کو متحرک کرتے ہیں جو تیرے اندر موجود ہوتا ہے۔ جو اختیار خود انسان میں موجود ہوتا ہے وہ فرشتوں کے الہام اور شیطانوں کے وسوسوں کے ذریعے قوی ہو جاتا ہے۔ نیک عمل کی ادائیگی انسان فرشتوں کے اِلہام سے اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کرتا ہے۔ گناہ کے بعد انسان شیطان پر اِسی وجہ سے لعنت بھیجتا ہے کہ اُس کے دسوسے کی وجہ سے وہ گناہ کا مرتکب ہوا۔

حشر میں جب کہ دنیاوی زندگی کا یہ حجاب ختم ہو جائے گا، تُو فرشتہ اور شیطان کو خود دیکھ لے گا اور جو پسِ پردہ اُن کی باتیں تھیں اُن کے ذریعے تُو اُن شخصیتوں کو پہچان لے گا۔ وہاں شیطان کہہ دے گا اور تُو سُنے گا کہ میں نے تو دل میں وسوسہ ہی ڈالا تھا تجھے مجبور تو نہ کیا تھا۔ فرشتہ تجھ سے کہہ دے گا: میں نے تیرے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اس گناہ کی لذّت اور خوشی بہت سے غموں کا سبب بنے گی۔ فلاں روز میں نے تجھے جنت کا راستہ بتایا تھا اور کہا تھا کہ میں تیرا خیر خواہ ہوں اور ہم فرشتے تیرے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے والے ہیں۔ جس طرح ہم نے تمہارے باپ کی خدمت کی تھی تمہاری خدمت بھی کرتے ہیں اور نیک راستہ بتا کر تجھے مخدوم بنانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھ! یہ شیاطین کی جماعت تمہارے باپ کی دشمن ہے۔ انہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ فرشتہ کہے گا کہ تُو نے ہمارا کہنا نہ مانا اور شیطان کا کہنا مانا۔ پہلے تُو نے ہمیں دیکھا نہ تھا صرف آواز سُنی تھی۔ اب آواز سے آواز ملا کر ہمیں پہچان لے۔ اندھیرے میں کوئی اگر تم سے بات کرتا ہے تو دن میں اُس کی آواز سے اُسے پہچان لیتے ہو۔

بات کا خلاصہ یہ نکلا کہ انسان نیکی اور بدی کرنے میں بااختیار ہے، مجبور نہیں اور وہ اختیار پوشیدہ ہوتا ہے۔ مقصد کے سامنے آجانے پر اختیار میں مزید طاقت آجاتی ہے۔ جبری انسان میں عقیدہ کی بنیاد پر انسانی فعل کا انکار لازم آتا ہے

زاں امامُ المتقیں داد ایں خبر
اِسی لیے متقیوں کے امام نے یہ خبر دی ہے

گفت اِذا جَاءَ القضاءُ عَمِی البَصَرُ
فرمایا جب قضا آتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں

جو محسوس چیز ہی ہے تو گویا جبری اپنے ایک محسوس کا منکر ہے۔ قدری شخص جو اپنے آپ کو خود مختار مانتا ہے وہ اللہ کا بندے کو اختیار عطا کرنے کا منکر ہے یعنی اللہ کے ایک فعل کا منکر ہے جو حسی چیز نہیں ہے۔ جبری محسوس کا انکار کرتا ہے۔ دھوئیں کو دیکھتا ہے اور آگ کا انکار کرتا ہے۔ دھاگے سے کپڑا بنا رہا ہے اور دھاگے سے انکار کرتا ہے۔ جبر کا عقیدہ سوفسطائی عقیدہ پر مبنی ہے جو اشیاء کو موجود نہیں مانتا بلکہ اشیاء کے وجود کو وہم اور خیال کہتا ہے۔ یہ عقیدہ دہریہ کے عقیدے سے بھی بدتر ہے جو کہ اختیاری حالت میں عالم کو موجود مانتا ہے اور خدا کا منکر ہے لیکن اضطراری حالت میں خدا کو بھی پکارنے لگتا ہے۔ دنیا کے سب انسان، انسان کے اختیار کے قائل ہیں اِسی لئے ایک دوسرے کو حکم دیتے یا منع کرتے ہیں۔ اگر مخاطب کو مختار نہ سمجھتے تو نہ حکم دیتے اور نہ منع کرتے۔ انسان کا مختار ہونا بالکل حسی چیز ہے اور اِسی بنا پر اُسے مکلف قرار دیا گیا ہے۔

باطنی اِحساس، ظاہری حِس کے قائم مقام ہیں، ظاہری حِس کے اِحساس کو روکا جاسکتا ہے لیکن باطنی اِحساس کو روکا نہیں جاسکتا

باطنی احساس یعنی اختیار، اضطرار، غصہ، محبت، صبر کرنا وغیرہ ظاہری حِس کے قائم مقام ہیں۔ دیکھنا، چکھنا، سُننا، سونگھنا، اور چھو کر محسوس کرنا ظاہری حِسیں ہیں۔ باطنی حِس کا منکر ظاہری حس کا منکر ہوگا۔ حس کے احساس کو روکا جاسکتا ہے لیکن باطنی احساس کو روکا نہیں جاسکتا۔ عقل مند کو اشارہ ہی کافی ہے۔ وجدان کا تعلق انسان کے باطنی احساسات کے ساتھ ہے۔ اُس کو روکا نہیں جاسکتا۔ اِس لئے وجدانیات، محسوسات سے اعلیٰ درجے پر ہیں۔ حواس کو انسان معطل کرسکتا ہے لیکن وجدان کو معطل کرنا ممکن نہیں۔ تو جو شخص کسی وجدانی معلوم کا انکار کرے تو وہ گویا محسوس کا منکر ہے۔ انسان کا اختیار بھی ایک وجدانی چیز ہے۔ قرآن میں اُوامر و نواہی سب انسان کے اختیار کی بنیاد پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کی حکمت سے ستارے اور آسمان بنا اُس سے یہ جاہلانہ فعل کیسے صادر ہوسکتا ہے کہ وہ کسی غیر مختار کو حکم دے یا منع کرے۔ بندے کا اختیار عین مشیتِ الٰہی کے تابع ہوتا ہے۔ اللہ نے بندے کو ایسے راستے بتادیئے ہیں کہ شیطان کا اُن میں کوئی دخل نہیں ہے۔ بندہ اُن راستوں کو اپنے اختیار سے چھوڑتا ہے تو شیطان کی مداخلت شروع ہوجاتی ہے۔ اِس طرح انسان پر نہ اللہ کی جانب سے جبر ہے اور نہ شیطان کی جانب سے۔ انسان اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا تو شیطان اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ وہ غلاموں کی طرح تُرک کے خیمے میں آئے گا تو کتا اُسے نہیں کاٹے گا۔ انسان غلط روی اختیار کر کے شیطان سے تکلیف اُٹھاتا

چُوں قضا بگذشت خود را می خورد
جب قضا گزر جاتی ہے انسان اپنے آپ کو شرمندگی کھاتا ہے

پردہ بدریدہ گریباں می دَرد
اور پردہ چاک کرکے گریبان چاک کرتا ہے

ہے۔

چور، جس نے کہا: اے کوتوال! جو کچھ مَیں نے کیا خُدائی تقدیر تھی اور اُس کو کوتوال کا جواب

ایک چور نے کوتوال سے کہا کہ جو کچھ میں نے کیا وہ خدا کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کوتوال نے جواب دیا کہ اب جو کچھ تمہارے ساتھ ہو گا وہ بھی خدا ہی کے حکم سے ہو گا۔ ایک شخص نے دکان سے مُولی چُرائی اور دکاندار سے کہا کہ یہ تقدیرِ الٰہی سے ہے۔ دکاندار نے اُس کے منہ پر تین گھونسے مارے اور کہا: اِسے واپس رکھ کہ یہ سب کچھ بھی تقدیرِ الٰہی سے ہی ہوا ہے۔ اپنے اختیار کے غلط استعمال کو تقدیرِ الٰہی کا نام نہ دے۔ انسان اپنے لئے پیشہ اختیار کرتا ہے۔ یہ اُس کے اختیار کی دلیل ہے۔ جبری انسان کسی خواہشِ نفسانی کا ارادہ کرتا ہے تو اُس میں بیس مردوں کی سی طاقت اور اختیار آجاتا ہے اور اگر کوئی اُس کا ایک رتّی کا نقصان کر دیتا ہے تو اُس سے لڑائی کا اختیار پورے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ جب خدا کی اطاعت وعبادت کا معاملہ آتا ہے تو پھر جبری کہتا ہے کہ میں مجبور ہوں اور اپنے آپ کو پتھر سے بھی زیادہ غیر مختار ظاہر کرتا ہے۔ شیطان نے بھی اپنی گمراہی پر اپنے جبر کا عذر پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ میری گمراہی اختیاری نہیں ہے لیکن اُس کا عذر مقبول نہ ہوا۔

ایک شخص باغ میں پھل جھاڑ رہا تھا۔ اُس نے کہا! باغ خدا کا ہے' میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔ خدا مجھے پھل کھلا رہا ہے۔ اے باغ والے! تُو مجھے کیوں بُرا بھلا کہتا ہے؟ باغ والے نے اپنے نوکر سے کہا کہ رسی لے آ۔ رسی سے درخت کے ساتھ باندھ کر اُسے مارنا شروع کیا۔ پھل چُرانے والے نے کہا: مجھ بے گناہ کو کیوں مار رہے ہو؟ باغ والا بولا: لاٹھی بھی خدا کی ہے۔ میں بھی خدا کا بندہ ہوں، تیری کمر اور پہلو بھی خدا کے ہیں۔ میں تجھے اللہ کے حکم سے مار رہا ہوں تو اس میں کیا بُرائی ہے۔ یاد رکھو! بندے کا اختیار بھی اللہ کا عطا کردہ ہے جو کہ ظاہر ہے اور اللہ کا اختیار پوشیدہ ہے۔

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نہ تو انسان مجبور ہے اور نہ مکمل مختار ہے بلکہ معاملہ بَین بَین ہے''۔ ندرت کی بات تو یہ ہے کہ انسان مختار ہوتے ہوئے بھی اللہ کے اختیار کا غلام ہے۔ جماد کا بے اختیار ہونا اُس کی ماہیت کے لئے لازم ہے۔ اِسی طرح انسان کا بااختیار ہونا اُس کی ماہیت کے لئے لازم ہے۔ اللہ کا اختیار اور قدرت انسان کے اختیار کو فنا نہیں کرتا ہے بلکہ انسان کا اختیار اُس کے تابع ہے۔ قرآن میں ہے: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ''تم نہیں چاہتے مگر وہ جو اللہ چاہے''۔ اپنے ارادہ سے اللہ کا انکار کرنا کفر ہے اور بے اختیار کا انکار کرنا کفر نہیں ہے۔ اگر انسان کفر کرے اور پھر اپنا اختیار نہ مانے یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ کسی عاجز کو حکم دینا بُری بات ہے اور خدا اِس سے منزّہ ہے۔ ہاں انسان جب

چُوں قضا آید شود دانش بخواب
جب قضا آتی ہے، عقل سو جاتی ہے

مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب
چاند کالا ہو جاتا ہے سُورج گرہن ہو جاتا ہے

مجاہدوں کے ذریعہ فنائی اللہ کا مقام حاصل کر لیتا ہے تو پھر بے شک وہ بے اختیار ہوتا ہے کیونکہ وہ وحدت کی شراب پی کر مَست ہے تو معذور سمجھا جائے گا۔ شرابِ معرفت کا مَست کبھی کوئی غلط کام نہیں کرتا۔ فرعون کے جادوگر اِسی شراب کے مَست تھے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کو معرفت کا نشہ تھا اِسی لئے جسمانی ہاتھ اُن کے لئے بے حقیقت ہو گئے۔ شرابِ معرفت دماغ کو چڑھتی ہے تو پھر دل میں اُتر جاتی ہے۔ ہمیشہ اللہ کی رضا کو مانو اور دوسروں کی ناراضگی سے رنجیدہ نہ ہو۔ اگر انسان سے یہ کہہ دیا جائے کہ ہر کام تیری منشا کے مطابق ہو جائے گا تو پھر انسان اللہ کی اطاعت اور بندگی میں سُست ہو جاتا ہے۔

قرآن وحدیث کے وہ معنٰی معتبر ہیں جو بندہ کو سرگرمِ عمل بنائیں۔ اگر وہ معنٰی سُست اور کاہل بناتے ہیں تو وہ قرآن وحدیث میں تحریف ہے۔ قرآن کی تفسیر صرف وہی عالم صحیح کر سکتے ہیں جنہوں نے اپنی ہوا و ہوس کو جلا ڈالا ہو اور اُن کی رُوح مجسّم قرآن بن گئی ہو۔ ایسے عالم کی قرآن سے وہی نسبت ہوگی جو پھول کے روغن اور پھول میں ہوتی ہے کہ دونوں کو سونگھنا یکساں ہے۔ اگر سرگرمِ عمل کرنے والے معنٰی تجھ پر ظاہر نہیں ہوئے ہیں تو اُن کی تلاش کر۔ حدیث ہے کہ ”قلم لکھ کر خشک ہو گیا ہے ہر اُس چیز کو جو ہونے والی ہے“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا تو پھر عمل کس بات کے لئے ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر انسان کو اُس چیز کی سہولت دے دی گئی ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔ اگر وہ سعادت اور جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے سعادت اور جنت کے اعمال سرزد ہوں گے اور اگر شقاوت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اُس سے شقاوت اور جہنم کے اعمال سرزد ہوں گے۔ قلم نے یہ لکھ دیا ہے کہ اگر تُو کجی اختیار کرے گا تو نتیجہ کجی ہوگا اور اگر سچائی اختیار کرے گا تو اُس سے سعادت پیدا ہوگی۔ اُس نے لکھ دیا کہ ظلم کا نتیجہ بدبختی ہے، عدل کا نتیجہ راحت ہے، چوری کا نتیجہ ہاتھ کٹنا ہے، شراب پینے کا اثر مَستی ہے۔ ”قلم لکھ کر خشک ہو گیا“ کے اگر یہ معنٰی لیں کہ اللہ نے ازل میں سب کچھ لکھ دیا ہے اور اب اُس کی قدرت کے تحت کچھ نہیں ہے تو گویا اب خدا، خدائی سے معزول ہو گیا ہے اور اللہ فرماتا ہے کہ اے بندے: اب تُو میرے پاس نہ آ۔ اب کام میرے قابو سے باہر ہے لیکن اِس کے حقیقی معنٰی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ انصاف اور ظلم یکساں نہیں ہیں اور میں نے خیر اور شر میں، بد اور بدترین میں فرق کر دیا ہے۔ اگر تجھ میں تیرے دوست کے مقابلے میں ایک ذرہ بھی نیکی زیادہ ہے تو اِس کو خدا جانتا ہے اور وہ اُس ذرّے کا بدلہ دے گا جو پہاڑ سے بھی بڑا ہوگا۔

جس بادشاہ کے دربار میں امین اور ظالم میں فرق نہ ہو اور ڈرنے والے مودب اور گستاخ میں فرق نہ ہو اُس بادشاہ

گر قضا پوشد سیہ ہمچوں شبت | ہم قضا دستت بگیرد عاقبت
اگر قضا سیاہ بن کر تجھے رات کی طرح ڈھانپ لے | بالآخر قضا ہی تیری دستگیری کرے گی

کے سر پر خاک۔ حقیقی باری تعالیٰ تو وہی ہے جس کے ترازو میں ایک ایک ذرہ تولا جائے۔ یہ دنیا کے شاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کی عمر بھر کی اطاعت کوئی چغل خور لمحوں میں برباد کرادیتا ہے۔ خدا کے دربار میں کوئی چغل خوری نہیں کر سکتا۔ وہاں سے مایوس ہو کر چغل خور شیطان ہمیں اپنے ربّ کے ظلم کے قصے سُنا کر بہکاتے ہیں کہ سب کچھ پہلے سے لکھ دیا گیا ہے اس لئے اب اُس کی وفاداری کیوں کرتے ہو۔ ایسا نہیں ہے۔ وہاں جفا کا بدلہ جفا ہے اور وفا کا بدلہ وفا ہے۔ ایک شبہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بھی معاف کر دے گا تو پھر تو اطاعت اور نافرمانی یکساں ہوگئی۔ یاد رکھو! اُن کی معافی تو ضرور ہو جائے گی مگر وہ انعامات تو حاصل نہ ہوں گے جو نیکوکاروں کے لئے مخصوص ہیں۔ بادشاہ کا اپنا بیٹا اگر اُس کا خائن ہو تو گردن زدنی ہے اور اگر معمولی غلام وفاداری کرتا ہے تو خوش نصیب ہوتا ہے۔ غلام تو درکنار کتا بھی اگر وفاداری کرتا ہے تو آقا کے دل میں اُس کے لئے سینکڑوں خوشنودیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض اوقات بعض لوگوں پر خصوصی رحمت بھی کر دیتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ڈاکو تھے لیکن تائب ہوگئے اور بڑے ولی اللہ بنے۔ اسی طرح فرعون کے جادوگر توبہ کے بعد کامل بن گئے۔ اُنہوں نے اللہ کی محبت میں ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ ایسا مقام پچاس سالہ عبادت کے بعد بھی نہیں ملتا۔

عمید خراسانی کے غلام

جس طرح دنیاوی بادشاہوں کے سب غلام برابر نہیں ہوتے اِسی طرح اللہ کے سب غلام بھی یکساں نہیں۔ اخلاص کے اعتبار سے اُن میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایک منہ پھٹ فقیر نے عمید خراسانی کے غلاموں کو ہرات میں دیکھا کہ نہایت قیمتی لباس اور زیورات میں ملبوس ہیں۔ درویش اگرچہ اہلُ اللہ میں سے تھا۔ اُس نے اپنی غریبی کو دیکھتے ہوئے اللہ کے تقرب کے بھروسے پر کہا کہ اے خدا! تُو ہمارے شہر کے رئیس عمید سے غلاموں کو رکھنا کیوں نہیں سیکھ لیتا۔ بعض مقربانِ بارگاہ خصوصی رحم و کرم کی بنا پر ایسی گستاخیاں بھی کر بیٹھتے ہیں لیکن عوام کیلئے ایسی بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ اللہ نے اُس درویش کو اُس وقت جواب نہ دیا لیکن جب عمید پر بادشاہ کا عتاب نازل ہوا تو اُس کے غلام اِس قدر وفادار ثابت ہوئے کہ عمید کا کوئی راز نہ کھولا۔ اب اللہ کی جانب سے درویش کو جواب ملا کہ اللہ، عمید سے غلام پروری کیا سیکھے گا تُو عمید کے غلاموں سے بندگی سیکھ لے۔

انسان کے جیسے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی نتائج نکلتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ ''سُنّتِ الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ہر احسان کا بدلہ احسان ہے''۔ اولیاء رحمہم اللہ کے بارے میں قرآن میں ہے ''جو اللہ کے دوست ہوتے ہیں اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ اِس آیت کے خلاف سزا کا حکم شیطان صفت کے لئے ہے۔ جب انسان اطاعت

گر قضا صد بار قصدِ جاں کُند	ہم قضا جانت دہد درماں کُند
اگر قضا سو بار تیری جان لینا چاہے	قضا ہی تیری جان بخشی کرے گی، تیرا علاج کرے گی

سے ملکوتی بن جاتا ہے تو اُس کے لئے راحت ہی ہے۔ اطاعت کرتب تجھے جبرِ محمود کا پتہ چلے گا اور معلوم ہو گا کہ تجھے اختیارِ خداوندی حاصل ہے اور تیرا ہر عمل اختیارِ خداوندی سے صادر ہوتا ہے۔ جبرِ محمود بڑی قیمتی چیز ہے جو عاشقوں کے سے نیاز پیدا کرنے والوں کو میسر آتا ہے۔

تُو اپنی لچھے دار تقریروں پر ناز کرتا ہے جو معانی سے بالکل خالی ہیں اور تُو اپنی تقریروں سے خریدار ڈھونڈتا ہے۔ یہ تیری تقریریں سننے والے تیرے لحاظ سے جھوم رہے ہیں اور تُو ان کے جھومنے کے عشق میں عمر برباد کر رہا ہے۔ عوام میں تقریریں کر کے واہ واہ کروانا مٹی کے ڈھیلے پر نقش و نگار کرنا ہے جو قائم نہیں رہ سکتے۔ اپنی اِصلاح کر اور اپنے آپ کو عشق کی تعلیم دے، یہی باقی رہنے والی چیز ہے۔ دوسروں کو وعظ و تلقین سے اپنی اصلاح بہتر ہے۔ ایسے بزرگ کہ جن کا اتصال دریائے وحدت سے ہو گیا ہے وہ تعلیم دیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ تُو تقریروں کو چھوڑ اور اپنی فکر کر۔ تیری تقریریں سُن کر جھومنے والے تیرے عاشق نہیں تیرے حقیقی عاشق وہ ہیں جو تیری اِصلاح کی دُعائیں کرتے ہیں۔ تُو اپنے درد کے وقت کو یاد رکھ' جس طرح ایاز نے اپنی پوستین اور چپل کو رکھا ہوا تھا۔ جب تک عشقِ خداوندی حاصل نہیں ہوتا انسان کی زبان بہت چلتی ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ
عشقِ حقیقی "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے"

مختلف فرقوں کی بحثیں قیامت تک ختم نہ ہوں گی کیونکہ دنیا میں بہتر فرقے باقی رہنے ہیں۔ ہر فرقے کو اُس کے دلائل عطا کر دیئے گئے ہیں کہ مخالف سے عاجز نہ آجائے۔ دنیا میں تاریکی زیادہ ہے۔ لوگ باطل دلیلوں سے حق کو پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ جتنا کوئی قیمتی خزانہ ہوتا ہے اتنے ہی اُس پر قفل زیادہ ہوتے ہیں۔ اِسی لئے حق مذہب جو قیمتی چیز ہے اُس پر باطل ملتوں کے قُفل لگے ہوئے ہیں۔ مقصد جس قدر عزیز ہو گا اسی قدر اُس تک پہنچنے کا راستہ پیچ در پیچ ہو گا اور راہزن کا خوف ہو گا۔ کعبہ کا دُور گوشے میں ہونا، بدوؤں کی راہزنی اور صحرا کا طول' کعبہ کے باعزت ہونے کی دلیل ہے۔

باطل فرقوں کی روش صحیح راستہ کی روش کے مخالف ہے۔ اِسی وجہ سے تقلید کرنے والا حیران ہو جاتا ہے کہ کس راستے کو اختیار کرے۔ وَساوس کو دُور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ راہِ عشق اختیار کرلے اور اِس راستہ کے کسی راہبر کو تلاش کرلے۔ عقل وساوس کو دُور نہیں کر سکتی۔ عقلِ معاش سے صرف دنیوی روزی حاصل ہوتی ہے لیکن عقلِ معاد جو عشق کی

گر قضا صد بار قصدِ جاں کُند
اگر قضا سو بار تیری جان لینا چاہے

ہم قضا جانت دہد درماں کُند
قضا ہی تیری جان بخشی کرے گی تیرا علاج کرے گی

پیداوار ہے آسمانوں کو بھی اپنا فرش بنا لیتی ہے۔ عقلِ معاد نیکی کراتی ہے جس کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ہے۔ حدیث میں ہے مَنْ عَرَفَ رَبَّهٗ كُلَّ لِسَانُهٗ "جس شخص نے خدا کو پہچان لیا اُس کی زبان بند ہو گئی"۔ عشق ایسی حیرت پیدا کر دیتا ہے جس سے گویائی عاجز آجاتی ہے۔ عاشق ڈرتا ہے کہ اگر وہ زبان کھولے گا تو اُس کا راز ظاہر ہو جائے گا۔ آنحضور ﷺ جو کچھ فرماتے صحابہ رضی اللہ عنہم خاموشی سے سُنتے اور اس طرح بیٹھے رہتے کہ اُن کے سروں پر جیسے کوئی پرندہ بیٹھا ہو جو ہلنے سے اُڑ جائے گا۔ جس طرح سر پر بیٹھا پرندہ باتیں کرنے سے روکتا ہے اسی طرح مقامِ حیرت بھی روکتا ہے۔ جب سالک اُس مقام پر پہنچتا ہے تو اُس کی زبان بند ہو جاتی ہے لیکن دل میں جوش و خروش ہوتا ہے۔

بادشاہ کا ایاز سے پوچھنا، تُو پوستین اور چپل سے کیوں باتیں کرتا ہے؟

ایاز چپکے چپکے اپنی پوستین اور چپل سے باتیں کیا کرتا تھا۔ محمود نے ایاز سے پوچھا کہ تُو اپنی پوستین اور چپل پر کیوں عاشق ہے؟ جس طرح مجنوں نے لیلیٰ کو اپنا دین و مذہب بنا لیا تھا تُو نے چپل کو بنا لیا ہے۔ جیسے عرب شعرا اپنی محبوبہ کی منزل اور اُس کے پڑاؤ کے ٹیلوں کا بہت ذکر کرتے ہیں اور جیسے نصاریٰ اپنے پیشواؤں کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اُن کے معاف کر دینے کو خدا کا معاف کرنا سمجھتے ہیں۔ اُن کا عشق اور اعتقاد اُن سے یہ سب کچھ کراتا ہے۔ عاشق اپنے درد کے سینکڑوں راز محبوب کی تصویر سے اس طرح بیان کرتا ہے جیسے کوئی دوست اپنے دوست سے بیان کر رہا ہو۔ اگر کسی عورت کا بچہ مر جائے تو وہ اُس کی قبر سے باتیں کرتی ہے۔ وہ اُسے زندہ دیکھتی ہے۔ یہ عشق کی جادوگری ہے کہ وہ یہ سمجھتی ہے کہ یہ باتیں بچہ سُن رہا ہے۔ وہ قبر سے اس طرح چمٹتی ہے کہ بچے سے بھی زندگی میں کبھی نہ چمٹی ہوگی۔ یہ اُس عشق کی کیفیت ہے جو مُردے سے ہو۔ ایسا عشق وقت گزرنے کے ساتھ ٹھنڈا ہو جاتا ہے لیکن خدا کے عشق کی آگ کبھی ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ جس کو یہ عشق حاصل ہو جاتا ہے اُس کے کشف کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دونوں جہاں اُس کے سامنے ہوتے ہیں۔

پیر وہ ہوتا ہے جسے حقائق کا علم ہو جائے۔ پیر سے مراد کوئی سفید داڑھی والا نہیں بلکہ عشق ہے جس سے فراق کی حالت میں بھی معشوق کی صورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ پہلے پہل سالک صورتوں سے دوچار ہوتا ہے پھر ذاتِ باری کا مُشاہدہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ مُشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو ذات کہتی ہے کہ اصل میں ہوں اور صورتوں میں تو میرا عکس پڑ گیا ہے۔ یہ حالت وہ ہوتی ہے جو حدیث شریف میں بیان ہوئی ہے۔ "احسان یہ ہے کہ تُو عبادت اس طرح سے کر کہ گویا تو ذات کا مُشاہدہ کر رہا ہے۔ ورنہ وہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے" اگر تُو باقی نہ رہا بلکہ فانی بن گیا تو اُس ذات کو دیکھے گا۔ پردہ اگر

گفت حق نے بلکہ لا انساب شُد اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں بلکہ دنیاوی نسبت کچھ نہیں فیصلہ ہے	زُہد و تقویٰ فضل را محراب شُد پرہیزگاری اور تقویٰ بزرگی کا مقام بن گیا ہے

ہے تو تیری اپنی ذات کا ہے۔ ہر عبادت کے اِبتدائی مراحل بھی جذب وکششِ باری تعالیٰ سے ہیں لیکن اُس جذب و کشش کو عابد سمجھتا نہیں ہے۔ جذب وکشش کے مخفی ہونے کی مثال یہ ہے کہ جس پتھر سے چشمہ جاری ہوتا ہے اور پتھر پانی میں ڈوب جاتا ہے تو نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اب لوگ اُس کو پتھر نہیں بلکہ چشمہ کہتے ہیں۔ اِسی طرح صورتیں مُشاہدہ میں ڈوب جاتی ہیں۔

رشتہ داروں کا مجنوں کو کہنا کہ لیلیٰ کچھ خوبصورت نہیں ہے اور اُس کا جواب

کچھ بیوقوفوں نے مجنوں کو ملامت کرنی شروع کردی کہ لیلیٰ کا معمولی حُسن ہے۔ تُو اُس پر فریفتہ کیوں ہے؟ دوسرے معشوق لیلیٰ سے حُسن میں بڑھے ہوئے ہیں۔ تُو دوسرے قبیلے کی لڑکی پر عاشق ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے ہمارا خاندان بدنام ہوگیا ہے۔ مجنوں نے جواب دیا کہ لیلیٰ کی صورت تو ایک پیالہ ہے اور اُس سے خدا اپنی شراب مجھے پلا رہا ہے۔ اُسی پیالے سے تمہیں سرکہ میسر آرہا ہے تاکہ تمہیں اُس کے عشق کی فضیلت حاصل نہ ہو۔ یہ عجائباتِ قدرت میں سے ہے کہ وہ ایک ہی پیالے سے کسی کو زہر اور کسی کو شہد پلاتی ہے۔ تم لوگوں کو صرف صورت اور کوزہ نظر آرہا ہے کیونکہ تمہاری نظریں صحیح نہیں ہیں اِس لئے تمہیں وہ شراب نظر نہیں آرہی۔ قرآن میں ہے "وہ حوریں بجز شوہروں کے کسی دوسرے کی طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھتیں"۔ یہی حال عشق کا ہے وہ صرف اہل کی طرف توجہ کرتا ہے۔ ایک ہی چیز کسی شخص کے اعتبار سے مُفید ہے اور کسی کے اعتبار سے مُضِر ہے۔ دریائے نیل بطخ کے لئے ذریعہ حیات اور کوے کے لئے موت ہے۔ کسی نعمت کا صحیح استعمال جنت کا سبب اور غلط استعمال دوزخ کا سبب ہے۔

اس دنیا کا ہر جسم اور چیز ایک پیالہ ہے جس کا ظاہر کھلا ہے اور باطن میں نعمت ہے۔ اُس کا نتیجہ صرف استعمال کرنے والا سمجھے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت ایک جام تھی جس سے حضرت یعقوب علیہ السلام مست کرنے والی شراب پیتے تھے اور بھائی زہر کا گھونٹ پیتے تھے۔ زلیخا کو جو شراب ملی وہ اُس شراب کے علاوہ تھی جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملی۔ پیالے کی شراب نامحرموں سے پوشیدہ ہے۔ اے اللہ! تُو مخفی ہے اور ایک راز ہے لیکن ہمارے راز تجھ سے چُھپے ہوئے نہیں ہیں۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ "اللہ کی نعمتوں پر غور کیا کرو اُس کی ذات میں غور نہ کیا کرو"۔ جس طرح جان یا رُوح مخفی ہے لیکن ہاتھ پاؤں اور اعضاء کے لئے متحرک ہے، یہی صورت حق تعالیٰ اور کائنات کی ہے۔ جس طرح مسکراہٹ خوشی کو ظاہر کرتی ہے اِسی طرح ہم سب حق تعالیٰ کی شان کے مظاہر ہیں۔ ہماری حرکات حق تعالیٰ کے وجود کی

این نہ میراثِ جہانِ فانی ست
یہ فانی دُنیا کی وراثت نہیں ہے

کہ بہ انسابش بیابی، جانی ست
جس کو تُو نسب کی بُنیاد پر حاصل کرلے بلکہ رُوحانی وراثت ہے

گواہ ہیں۔ حق تعالیٰ کی ذات وہم و قیاس سے بالاتر ہے۔ اِس لئے اُس کی کوئی مثال اُس کے مطابق نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کے لئے مثالوں کی یہی حقیقت ہے۔ جس طرح گڈریے نے اُس کی ذات کی تعبیر کی تھی۔ اُس کی تعبیرات اگرچہ غلط تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سے اُس کا عشق بے مثال تھا۔ عشق کا اثر اُس کے دل پر تھا لیکن تیرے صرف کان پر ہے۔ کسی چیز کا دل پر اور کسی دوسرے عضو پر اثر میں بہت بڑا فرق ہے۔

جوحی کے قصے کی مثال، جس کا تعلق اِسی بات سے ہے

جوحی ایک افسانوی شخصیت ہے۔ جس سے شیخ چلی کی طرح کے پُر مذاق قصے منسوب ہیں۔ ایک واعظ بہت جوش و خروش سے تقریر کر رہا تھا۔ بہت سے مرد اور عورتیں وعظ سُن رہے تھے۔ جوحی چادر اوڑھ کر عورتوں میں بیٹھ گیا۔ ایک شخص نے واعظ سے سوال کیا کہ زیرِ ناف بال کتنے بڑھ جائیں تو اُن کو مونڈ دینا چاہیے۔ اُس نے جواب دیا کہ ایک جَو کی لمبائی کے برابر ہوں تو صاف کر دینے چاہئیں۔ جوحی کے آگے ایک عورت بیٹھی تھی جس نے اپنے ہوش کو واعظ کے وعظ سے وابستہ کیا ہوا تھا۔ جوحی نے عورت سے کہا: اے بہن! ذرا دیکھ میرے زیرِ ناف بال مونڈنے کے لائق ہیں یا نہیں۔ عورت نے جوحی کی شلوار کے اندر ہاتھ ڈالا اور چیخ پڑی۔ واعظ نے فوراً کہا: دیکھو! میرے وعظ کا اِس خاتون کے دل پر کیسا اثر ہوا ہے۔ اِسی لئے اُس نے نعرہ مارا ہے۔ اُس نے مردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ اِس عورت سے نصیحت حاصل کرو۔ جوحی نے دل میں کہا: اس کے دل پر نہیں ہاتھ پر اثر ہوا ہے اس لئے کہ اس کا ہاتھ شرمگاہ پر لگا ہے۔

فرعون کے جادوگروں کے دل پر اثر ہوا تھا تو عشقِ الٰہی میں اُن کے لئے ہاتھ پاؤں کا کٹنا ایسا ہی تھا جیسا کسی لکڑی کا کٹنا۔ جادوگروں نے کہا تھا: ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اصل زندگی جسم کی نہیں ہے بلکہ رُوح کی ہے۔ حدیث ہے "جس نے اپنی حقیقت سمجھ لی اُس نے خدا کو پہچان لیا"۔ جو شخص اپنی حقیقت کو نہیں سمجھا وہ بچہ ہے۔ اگر مرد ہونا داڑھی اور خصیہ کی وجہ سے ہو تو یہ چیزیں تو بکرے کی بھی ہوتی ہیں۔ بکرے میں عقل کچی ہے اس لئے ذبح کے لئے جاتے وقت وہ بکریوں کا پیشوا بن جاتا ہے۔ خام پیر بھی داڑھی میں کنگھا کر کے کہتا ہے کہ میں پیر ہوں اور پیشوا ہوں۔ ہاں تُو پیشوا ہے مگر بکرے کی طرح کا۔ اِس لئے سیدھے راستے کی روش اختیار کر، بڑی سفید داڑھی پر گھمنڈ نہ کر۔ سیدھے راستے پر چل کر خوشبو کی طرح عاشقوں کے لئے باغ کا رہنما بن جا۔ خوشبو سے میری مراد عقل مندی کی باتیں ہیں۔ یاد رکھ! دین اخلاص ہی کا نام ہے۔ سلطان محمود نے ایاز سے پوچھا: چپل اور پوستین سے تیری اتنی نیاز مندی کیوں ہے؟ تیرے غلام

مالِ میراثی ندارد خود وفا
وراثت میں پایا ہوا مال وفادار نہیں ہوتا

چوں بنا کام از گذشتہ شد جُدا
اگر وفادار ہوتا تو مرنے والے سے جُدا کیوں ہوتا

ہونے نے غلامی کو منور کر دیا ہے۔ تیرے وجود سے تو آزاد لوگ بھی تیرے جیسی غلامی کی حسرت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مومن وہ ہوتا ہے کہ جس کے ایمان کو دیکھ کر کافر حسرت کرے جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا نہ کہ اُس کا سا ایمان ہو جو لوگوں کو ایمان لانے سے روکے جیسا کہ مؤذن کا تھا۔

وہ کافر جسے مسلمانوں نے مسلمان ہونے کے لئے کہا

مسلمان نے کافر سے کہا کہ تو مسلمان ہو جا تا کہ تجھے نجات حاصل ہو جائے۔ کافر نے کہا کہ اگر ایمان وہ ہوتا ہے جو بایزید رحمۃ اللہ علیہ رکھتے ہیں تو مجھ میں اُس کی طاقت نہیں ہے کیونکہ وہ انسان کی طاقت سے بالاتر ہے۔ اگرچہ میں اسلام اور ایمان کا قائل نہیں ہوں لیکن اُن کے ایمان کا قائل ہوں اور اُس پر میرا ایمان ہے۔ میرا یقین ہے کہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑھ کر ہیں اور میرا اُن کے ایمان پر ایمان ہے لیکن زبان سے ظاہر نہیں کر سکتا ہوں اور اگر ایمان سے مراد تمہارے والا ایمان ہے تو مجھے نہ ایسے ایمان کی خواہش ہے اور نہ اُس طرف میرا میلان ہے۔ تم تو ایسے مومن ہو کہ اگر کسی میں ایمان کی خواہش موجود بھی ہو تو تمہیں دیکھ کر سُست پڑ جائے گی اس لئے کہ تمہارا ایمان تو برائے نام ہے۔ بہت سے مومن ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن کو دیکھ کر کافر ایمان لانے کا ارادہ ترک کر دیں۔

بھدی آواز والا مؤذن، جسے اذان دینے پر کافر نے بہت سے تحفے دیئے

ایک مؤذن کی آواز بہت بُری تھی۔ لوگ اُس کی آواز کی کرختگی سے بہت بیزار تھے۔ وہ اپنے آپ کو بہت خوش الحان سمجھتا تھا' اس لئے رات بھر اونچی آواز میں مناجات اور ذکر کرتا۔ لوگوں نے چندہ جمع کیا اور کہا کہ آپ کی اس محلے پر مہربانیوں کی وجہ سے ہم سو نہیں سکتے۔ آپ یہ رقم لے لیں اس سے آپ حج کے لئے روانہ ہو جائیں اور وہاں جا کر ہمارے لئے دُعائیں کرنا۔ حاجیوں کے قافلے کے ساتھ وہ جا رہا تھا کہ اُن کا گزر ایسے راستے سے ہوا جو کافروں کا علاقہ تھا۔ اُس نے حسبِ عادت اذان دینی شروع کی۔ ساتھیوں نے روکا کہ کہیں یہ کافر دنگا فساد نہ کر دیں لیکن وہ نہ مانا اور اُس نے اذان دے دی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ایک کافر تحفہ میں کپڑے وغیرہ لئے آرہا ہے۔ وہ اُس مؤذن کو پوچھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ مؤذن کی اذان نے ہمیں بہت راحت پہنچائی ہے۔ میری ایک بہت خوبصورت لڑکی ہے جو اسلام لانے پر آمادہ ہے۔ ہم نے اُسے بہت سمجھایا لیکن وہ اپنے ارادے سے باز نہ آئی اور روز بروز اپنے ارادے میں پختہ ہوتی جا رہی تھی۔ ہم لاچار ہو گئے کہ اس مؤذن نے اذان دی۔ لڑکی نے دریافت کیا کہ یہ بھیانک آواز کیسی ہے؟ اُس کی بہن نے اُسے بتایا کہ یہ مسلمانوں کی اذان کی آواز ہے۔ اُس نے

او نداند قدر ہم کآساں بیافت	**کو بکد و رنج و کسبش کم شتافت**
وارث آسانی سے پالیتا ہے اسلئے قدر نہیں کرتا	کیونکہ اُسکے حصول کیلئے اُس نے کچھ محنت مشقت نہیں کی

دوسروں سے بھی پوچھا تو انہوں نے بھی اِس بات کی تصدیق کر دی۔ اُسے یقین ہو گیا تو وہ مایوس ہو گئی اور اُس کا اسلام لانے کا ارادہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ اب اُس کا دل ایمان سے برگشتہ ہو گیا۔ میری مصیبت ختم ہو گئی ہے اس لئے میں مؤذن کے لئے یہ تحفے لایا ہوں۔ اُس نے مؤذن سے کہا کہ تُو نجات دہندہ ہے۔ میں زیادہ مالدار نہیں ہوں ورنہ تمہارا منہ سونے سے بھر دیتا۔

کافر نے مسلمان سے کہا کہ تمہارا ایمان بھی مؤذن کی طرح انسان کو ایمان سے روکنے والا ہے۔ کافر نے کہا بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان اور سچائی کو دیکھ کر مجھے بھی حیرت ہوتی ہے کہ کاش ایسا ایمان مجھے میسر آتا کیونکہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان کا حق ادا کر دیا ہے۔ اُن کے ایمان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر اُس کا ایک قطرہ سمندر میں ڈالیں تو وہ سمندر کو ڈبو دے۔ جس طرح آگ کا ایک ذرّہ جنگلوں پر حاوی ہو جاتا ہے اور جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے خدائی تائید سے کافروں کو مٹا کر رکھ دیا۔ شیخ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ان مثالوں سے بھی بلند تھا۔ اُن کی جان روشن کرنے والا نور ہے اور وہ حقیر مٹی کا ایک جسم رکھتا ہے۔ ہم حیران ہیں کہ شیخ جسم کو کہیں یا رُوح کو۔ شیخ اگر جسم ہے تو رُوح کیا ہے؟ اُسے ہم کیا کہیں؟

ایک بیوی نے گوشت خود کھا کر بلّی کا نام لگا دیا اور شوہر کا بلّی کو تول کر حق کو ثابت کرنا

جس طرح شیخ کے بارے میں حیرانی ہے کہ اگر وہ جسم ہے تو رُوح کو کیا کہیں اور اگر رُوح ہے تو جسم کو کیا کہیں۔ اِسی طرح شوہر کو حیرانی تھی جو مہمانوں کے کھانے کے لئے گوشت لایا اور پکانے کے لئے بیوی کو دیا۔ بیوی بہت چالاک نخرے باز تھی۔ وہ جو کچھ گھر میں لاتا برباد کر دیتی۔ شوہر برداشت کر کر کے عاجز آ گیا۔ بیوی نے گوشت بھون کر کھا لیا۔ شوہر نے پوچھا کہ گوشت کہاں ہے؟ مہمان کے لئے لاؤ۔ بیوی بولی کہ وہ تو بلی کھا گئی۔ اگر چاہیے تو اور لے آؤ۔ وہ نوکر سے بولا کہ ترازو لاؤ میں بلی کا وزن کروں گا۔ بلی کو تولا تو وہ آدھا سیر تھی۔ شوہر بولا: اے حیلہ گر عورت! میں آدھ سیر گوشت لایا تھا۔ بلی آدھا سیر ہے اور اگر گوشت اِس نے کھایا ہے تو بلی کہاں ہے؟ اگر یہ گوشت ہے تو بلی بتاؤ کہ کہاں ہے اور اگر یہ بلی ہے تو گوشت کہاں ہے؟

بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو اگر جسم قرار دیں تو رُوح کو کیا کہیں اور اگر رُوح کو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کہیں تو جسم کو کیا کہیں۔ یقیناً جسم اور رُوح کے مجموعے کو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کہیں گے۔ رُوح کو دانہ سمجھو اور جسم کو بھوسہ۔ اللہ نے رُوح اور جسم کو باہمی حکمت کے لئے ملا دیا ہے۔ رُوح جسم کے بغیر بے کار ہے اور جسم رُوح کے بغیر مردہ۔ رُوح مغز اور جسم چھلکے کی طرح ہے۔ انسان کو

رُوح حاصل کرنی چاہیے۔ جسم ظاہر ہے اور رُوح باطن، دونوں ہی سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ مقصد باہمی آمیزش ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ صرف خاک سر نہیں پھوڑے گی۔ اُس میں پانی کی آمیزش کر کے ڈھیلا بنایا جا سکتا ہے جو سر پھوڑ سکتا ہے۔ رُوح نے جسم سے جدا ہو جانا ہے۔ قرآن میں ہے "بے شک جُدائی کا دن مقرر ہے"۔ رُوح اور جسم کا باہمی جوڑ نیاز مندوں اور سرکشوں کا امتیاز کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ لیکن عالمِ آخرت میں رُوح کا جو جوڑ لگے گا وہ نہ کان نے سُنا اور نہ آنکھ نے دیکھا۔ اگر کان اُس کی حقیت کو سُن لے تو فنا ہو جائے جیسے برف سورج کی گرمی سے فنا ہو جاتی ہے۔ برف سے درخت جل جاتے ہیں لیکن وہ پانی بنتی ہے تو درختوں کی پرورش ہوتی ہے۔ برف کو بھی بیکار مت سمجھو اُس کا ٹھنڈا کیا ہوا پانی جگر میں تازگی پیدا کر دیتا ہے۔

ایک امیر جو شراب کا دِلدادہ تھا اور زاہد جو عیش پرستی سے روکتا تھا

اِس حکایت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مختلف پرہیزگاروں کی پرہیزگاری میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک امیر شراب کا بہت دِلدادہ تھا اور غریبوں کا مہربان، سخی اور دریا دل تھا۔ لوگوں پر خوب خرچ کیا کرتا تھا۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا ہے جب زمانہ پیار و محبت سے لبریز تھا۔ اچانک امیر کے ہاں ایک مہمان آگیا جو اُسی جیسا امیر اور دین دار تھا۔ وہ لوگ بہت دین دار تھے اور شراب استعمال کر لیتے تھے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں شراب حلال تھی۔ اُن کے پاس شراب کم تھی تو اُس نے نوکر کو ایک راہب سے شراب خرید کر لانے کے لئے بھیجا کہ اُس زاہد کی شراب میں ایک مخفی سرمایہ ہے۔ جس طرح عبا میں سلطانی چھپی ہوئی ہو۔ فقراء کی گدڑی کو حقارت سے نہ دیکھنا چاہیے اُن کی گدڑی میں وہ سلطانی ہوتی ہے جو شاہوں کو بھی نصیب نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی رُوح چونکہ جسم کی مٹی میں تھی تو وہ مٹی شیطان کی آنکھ کا پردہ بن گئی۔ اُس کی نظر صرف مٹی پر پڑی۔

ملازم زاہد سے عمدہ قسم کی شراب خرید کر لے آیا۔ وہ شراب جو بادشاہوں کو مست بنا دیتی ہے، ساقی کے لئے نعمت بن جاتی ہے۔ شاہ اُسے انعام سے نوازتا ہے۔ شراب شور و شر پیدا کرتی ہے اور آقا و غلام کا فرق مٹا دیتی ہے۔ ہوش کے وقت بعض آدمیوں میں ایسا بَیر ہوتا ہے جیسا تیل اور پانی میں مگر مستی کے وقت سب یک جان ہو جاتے ہیں، جس طرح ہریسہ میں گندم اور گوشت۔ راستے میں اُسے ایک زاہد ملا جو مجاہدات کر کر کے اپنے دماغ کو خشک کیے ہوئے تھا۔ اُس کا جسم عشقِ الٰہی کی آگ میں پگھل گیا تھا۔ مجاہدوں سے اُس کا صبر اور بُردباری ختم ہو چکی تھی۔ زاہد نے غلام سے

ہر چہ آساں یافتی آساں دہی جو چیز تو آسانی سے پاتا ہے آسانی سے دیتا ہے	دردِ مشکل یاب را بر جاں نہی مشکل سے حاصل ہونے والی چیز کی انسان قدر کرتا ہے

پوچھا: صراحی میں کیا ہے؟ نوکر نے جواب دیا: شراب ہے جو فلاں سردار نے منگوائی ہے۔ زاہد نے کہا: کیا طالبِ حق کے یہ کام ہوتے ہیں؟ اُن کو تو ہمیشہ نا و نوش سے بچنا چاہیے۔ انسان تو بغیر شراب کے بھی غافل ہے حالانکہ اُسے اللہ کی یاد کے لئے ہوش درکار ہے تو پھر نشہ میں کیا ہوش رہ سکتا ہے۔ نشہ کی حالت میں انسان ایسے پھنسا ہوا ہوتا ہے جیسے پرندہ جال میں۔ انسان خود ہی مدہوش ہے تو شراب پی کر تو اور بے حال ہو جائے گا۔

ضیا بلخی اور اُن کے بھائی شیخُ الاِسلام تاجِ بلخ

ضیاء بلخی جو کہ شیخ الاسلام تاج بلخ کے بھائی تھے بہت خوش مزاج تھے۔ شیخ الاسلام تاج بلخ بالکل پستہ قد تھے لیکن بہت بڑے عالم دین تھے۔ ضیاء بلخی ہمیشہ اُنہیں اپنی خوش طبعی کا نشانہ بناتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں ضیاء بلخی اندر آئے۔ درس قاضیوں اور منتخب لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ شیخ الاسلام نے غرور کے تحت بھائی کے لئے آدھا قیام کیا۔ ضیاء بلخی فوراً بولے چونکہ آپ بہت لمبے ہیں تو نذرانے وصول کرنے کے لئے اپنے لمبے قد سے آدھا جھکے ہیں۔ یہ ان کے چھوٹے قد پر ایک عمدہ طنز تھا۔

زاھد اور غُلام کی حکایت کی طرف واپسی

زاہد نے کہا اگر چہرہ حسین ہو تو نظرِ بد سے بچانے کے لئے ماتھے پر کالا داغ لگاتے ہیں۔ اگر کوئی پہلے ہی بدصورت ہو تو اُسے داغ لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ شراب اگر چہ عوام کو تقویت حاصل کرنے کے لئے حلال ہے لیکن پرہیزگاروں کے لئے تو جائز نہیں۔ عاشق تو شراب کی بجائے خونِ دل پیتے ہیں اور ہمیشہ منزل کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کو عیش پرستی کی فرصت کہاں۔ اگر تُو شراب کے نشے میں ہے تو عقل تیری کیا رہنمائی کرے گی۔ فقر میں اگر جو کی روٹی سے نفس لطف حاصل کرے تو بھوسی کی روٹی کھانی چاہیے۔ نفس راہِ خدا کا دشمن ہے اُس کو ہر وقت ذلیل رکھ۔ اُس کی عزت نہ کر۔ اگر تُو چور کو آزاد چھوڑے گا تو وہ تجھے تباہ کر دے گا۔ اُس کو راحت نہ دے۔ زاہد نے غیرت میں آ کر غلام کے ہاتھ سے صراحی لی اور پھینک کر توڑ دی اور خود بھاگ گیا۔ غلام بھاگا بھاگا امیر کے پاس پہنچا اور اُس نے زاہد کی ساری بات بتا دی۔ امیر نے شور مچانا شروع کر دیا۔ لوگ گھروں سے باہر آ گئے اور اُسے کہنے لگے کہ زاہد کی عقل مجاہدوں سے خشک ہو گئی ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گیا ہے۔ یا تو اُس کی عبادت میں اخلاص نہیں تھا کیونکہ وہ مقبول نہیں ہوئی اور اجر کا وقت نہیں آیا ہے۔ اُس کے لئے تو اپنی ہی مایوسی کی حالت تکلیف دہ ہے۔ اُسے سزا دے کر اور مصیبت میں کیوں ڈالتے ہو۔ اِس قدر مجاہدے کے باوجود وہ مشاہدے سے محروم ہے اور اس حالت میں بھی

ہر کہ اُو ارزاں خرد ارزاں دہد
جو کوئی سستا خریدتا ہے، سستا دے ڈالتا ہے

گوہرے طفلے بقرصِ ناں دہد
ایک بچہ موتی، ایک روٹی کی ٹکیا میں دے دیتا ہے

کبھی تو خدا سے بھی لڑنے لگ جاتا ہے۔ کبھی اپنے آپ کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے۔ قبض کی حالت میں تو بعض اوقات سالک خود کو ہلاک بھی کر ڈالتے ہیں۔ دنیا کی ناکامی تو انسان کی ایسی حالت کے مقابلے میں بہتر ہوتی ہے۔

وحی کے چند روزہ اِنقطاع پر آنحضورﷺ کا پہاڑ سے خود کو گرا دینے کا ارادہ کرنا اور جبرائیل علیہ السلام کا آئندہ کی خوشخبری دینا

جب کچھ عرصہ وحی کا اِنقطاع ہوا تو آنحضورﷺ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آ کر تسلی دیتے تو آپﷺ کو سکون ہوتا۔ قبض کی کیفیت مزید مُشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئی ورنہ حضورﷺ کو ایک گونہ مُشاہدہ تو ہر وقت حاصل تھا۔ انسان دنیا کی مصیبتوں کی وجہ سے اکثر خودکشی کر لیتے ہیں لیکن رُوحانی قبض کی کیفیت تو تمام مصائب کی جڑ ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور بزرگ جو راہِ حق میں قربان ہوتے ہیں اُس پر لوگوں کو تعجب ہوتا ہے حالانکہ ہر انسان اُس سیرت پر جان دیتا ہے جو اُس کی ہے۔ راہِ حق پر قربان ہو جانا قابلِ مبارک باد ہے۔ اس راہ پر قربان ہونے سے سینکڑوں زندگیاں حاصل ہوتی ہیں۔ دنیا میں ہر شخص کا کوئی ایسا مشغلہ ہوتا ہے، جس میں وہ اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے لیکن سب سے بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بحرِ حق میں فنا کر دے یا وصل میں فنا کر دے۔ اگر وصل میں فنا کر دے گا تو پھر نہ عاشق باقی رہے گا نہ معشوق یعنی ذاتِ باری معشوق کی حیثیت میں باقی نہ رہے گی۔ مجرد ذاتِ حق باقی رہے گی۔ عاشق پر محویت طاری رہتی ہے اور وہ ہر آن فنا ہوتا رہتا ہے۔ محلے والوں نے کہا کہ حدیث ہے ''تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا''۔ اِس لئے اِس زاہد پر ظلم نہ کر اور سابقہ ظالم امیروں کے قصے سُن کر عبرت حاصل کر لے۔

امیر کا سفارشیوں کو جواب کہ اُس نے صراحی کیوں توڑی مَیں اُسے سزا ضرور دُوں گا

امیر نے کہا میں اُسے ضرور سزا دوں گا۔ اُس کی ہمت کیسے ہوئی کہ میری مٹکی پھوڑی۔ اُس نے میرے غلام کو ستایا اور مجھے میرے مہمان کے سامنے شرمندہ کیا۔ اُس نے قیمتی شراب بہا دی اور اب عورتوں کی طرح گھر میں گھس گیا ہے۔ وہ چاہے کوئی تدبیر کرے مجھ سے اپنی جان نہ بچا سکے گا۔ اگر چھر میں گھسے گا تو میں اُسے وہاں سے بھی نکال لوں گا۔ اُس کا پٹنا دیکھ کر دوسرے بھی عبرت حاصل کریں گے اور آئندہ کسی کو ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوگی۔ اُس امیر کو اس قدر غصہ آ رہا تھا جیسے اس کے منہ سے آگ نکل رہی ہو۔

ہر کہ اُو ارزاں خرد ارزاں دہد	گوہرے طفلے بقُرصِ ناں دہد
جو کوئی سستا خریدتا ہے، سستا دے ڈالتا ہے	ایک بچہ موتی، ایک روٹی کی ٹکیا میں دیدیتا ہے

سفارشیوں نے دوبارہ سفارش کی اور امیر کے ہاتھ چومے۔ اُس سے کہا کہ اگر آپ کی شراب ضائع ہوگئی ہے تو کوئی بات نہیں۔ شراب تو دراصل آپ کے سرور سے فیض یاب ہے۔ آپ کا چہرہ بغیر شراب کے بھی حسین اور خوبصورت ہے۔ آپ میں تو بغیر شراب کے ہی ایسی مستی ہے کہ مست دیکھے تو حسد کرے۔ آپ کا رنگ گلگوں ہے، آپ کو گلال کی کیا ضرورت ہے۔ شراب میں جو جوش ہے وہ آپ کے چہرے کے شوق کی وجہ سے ہے۔ آپ تو مجسم خوشی ہیں، شراب سے خوشی حاصل کر کے کیا کریں گے۔ قرآن میں ہے "اور ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو عزت بخشی ہے" ایک اور جگہ ارشاد ہے "بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا"۔ اگر چہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے لیکن یہ فضیلت اُن کو انسانِ کامل ہونے کی وجہ سے ہے۔ انسان کائنات کا جوہر ہے۔ قرآن میں ہے "جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے"۔ جب انسان کے اتنے فضائل ہیں تو اُسے اپنے آپ کو رائیگاں نہیں کرنا چاہیے بلکہ کوشش کر کے علمِ لدنی حاصل کرنا چاہیے۔ انسان عالمِ اکبر ہے اور دنیاوی لذتیں تو فانی ہیں۔ انسان تو آفتاب کی طرح ہے اور کائنات ذرات ہے۔ رُوحِ مجرد کم و کیف سے منزہ ہے۔ امیر نے کہا میں دنیاوی شراب کا دوست نہیں ہوں بلکہ شرابِ معرفت کا دوست ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کو معنوی شراب حاصل ہے۔ اُن کی فطرت میں ہی اللہ سے محبت کرنا ہے کیونکہ حقیقی نور کے مقابل ہر چیز تاریک ہے۔ عاشق اپنے معشوق سے کبھی سیر نہیں ہوتا اور شرابی شراب سے دُور نہیں رہ سکتا۔ یہی حال نورِ حقیقی کے عاشق کا ہے۔

فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "دُنیا مُردار ہے اور اُس کے طلب گار کُتے"

وہ لوگ جو آخرت کے جہان سے واقف ہیں اُنہیں اِس مردہ جہان میں راحت محسوس نہیں ہوتی۔ پاک رُوحوں کا مقام علّیین ہے اور نجس رُوحوں کی جگہ سجّین ہے۔ پاک لوگوں کے لئے اِس دنیا میں شرابِ طہور کے جام ہیں۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے عالَمِ آخرت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے اِس لئے ہمیں تصویروں کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس دنیا کا کاروبار مردہ گڑیوں سے لڑکیوں کا کھیلنا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ایک نقش دنیا میں ہوتا ہے جو ظاہر ہے اور ایک نقش عالَمِ بالا میں ہوتا ہے۔ پہلے نقش کے اعضاء دنیا کے کام سرانجام دیتے ہیں اور دوسرے نقش کے اعضاء حضرتِ حق کے ساتھ مصروف ہوتے ہیں۔ ظاہری کان انسانوں کی باتیں سنتا ہے لیکن باطنی کان اللہ کے اَسرار سنتا ہے۔ ظاہری آنکھ لوگوں کو دیکھتی ہے لیکن باطنی آنکھ مَا زَاغَ الْبَصَرُ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا کہ "ان کی آنکھ نہ کج ہوئی اور نہ سرکش"۔ اُنہوں نے ہمیشہ حق دیکھا۔ اولیاء رحمہم اللہ ہمیشہ مُشاہدۂ حق میں حیران رہتے ہیں۔

کز اں سُو جملۂ مِلّت یکے ست کیوں کہ رُوحانی دُنیا میں تمام ملّتیں ایک ہیں	صد ہزاراں سال و یک ساعت یکے ست لاکھوں سال اور ایک گھنٹہ یکساں ہے

جس طرح اُن کے جسموں کی دو حالتیں ہیں۔ اِسی طرح اُن کے نام بھی دو ہیں وَلِیَ الدَّوْلَتَیْنِ "دونوں دولتوں کا والی" اور اِمَامُ الْقِبْلَتَیْنِ "دونوں قبلوں کا امام" وہ ہر وقت اللہ کے ساتھ ہیں۔ اُنہیں اب نہ تنہائی میں جانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی چلہ کرنے کی۔ اُنہیں نہ کوئی مرض ہے اور نہ اُنہیں کسی پرہیز کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے اَوصافِ بشری سے برہنہ ہو کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچے ہیں تو حضرتِ حق تعالیٰ نے اپنے اَوصاف کا جامہ اُن کو پہنا دیا۔ اب وہ خدائی اخلاق والے ہیں اور اُن کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ رُوح جب جسمانی عوارض سے پاک ہو جاتی ہے تو عالَمِ بالا میں پہنچ جاتی ہے۔ جسمانی علائق نے اُسے روک رکھا ہے ورنہ وہ پرواز میں بہت چالاک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو نیچے آنے کا حکم گندم کھا لینے کی وجہ سے ملا۔ اِسی لئے رُوح کو جسم کے کنویں میں آویزاں کر دیا گیا ہے۔

ہاروت ملائکہ میں سے تھا۔ اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے کنویں میں لٹکا دیا گیا۔ ایسا اس لئے ہوا کہ اُس نے حد سے تجاوز کیا۔ ٹوکری جو دریا میں ہے اپنے اندر کے پانی پر گھمنڈ کرنے لگی۔ دریا سے دُور ہوئی تو پانی سے خالی ہو گئی۔ سمندر نے رحم کیا تو اُسے دوبارہ بلا لیا۔ اِسی طرح رُوح کو جب ذلتِ اعتقاد بدرجہ اتم محسوس ہوئی اور کبر کا شائبہ تک ختم ہو گیا تو بغیر سبب اور بغیر محنت کے دریائے وحدت کی رحمت آپہنچی اور اُسے واپس بلا لیا۔ انسان کو ہر وقت قربِ الٰہی کی جستجو کرنی چاہیے۔ اہل اللہ کا چہرہ اللہ کی ملاقات کے انتظار میں زرد ہوتا ہے لیکن ایک وقت آتا ہے کہ وہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ کے چہرے کی زردی، درد یا بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ جب سالِک اللہ تعالیٰ کے اَنوار سے اپنی طمع کو وابستہ کر دیتا ہے تو اُس کے نَفْس کو ذلت حاصل ہوتی ہے۔ اِسی طرح جب انسان کی بشری صفات بالکل فنا ہو جاتی ہے تو سالِک کو نور بے سایہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن اگر کچھ بشری صفات باقی رہتی ہیں تو نور بے سایہ تو حاصل نہیں ہوتا لیکن ایسے جیسے نور چھلنی میں سے گزر کر آئے۔ اُس میں کچھ نور ہو گا کچھ سایہ ہو گا۔ عاشق تو بالکل ہی بشری صفات سے عاری ہونا چاہتے ہیں لیکن رُوحانی نامرد کو اِن باتوں کی پرواہ نہیں ہوتی۔ جو لوگ اپنے آپ کو مجاہدوں میں مصروف کرتے ہیں وہ ضرور بشری صفات سے خالی ہو جاتے ہیں۔ یہ نعمت روزہ داروں کو ملتی ہے۔ دنیادار تو مکھی کی طرح ہیں جو شوربا اور چولہا یکساں طور پر چاٹتی ہیں۔ اے سالِک! تجھ پر جو کیفیات طاری ہوتی ہیں اُن کی بات سُنا۔ مجھ سے شش جہات یا پانچ حواس کی بات نہ کر جو کہ دنیا کی چیزیں ہیں۔

ایاز نے سلطان سے کہا: اگرچہ باطنی اَحوال ناقابلِ بیان ہوتے ہیں تو میں ظاہری اَحوال خالص اور تشبیہات کے ساتھ سُنائے دیتا ہوں۔ اگر یار مہربان ہو تو ہر امتحان کی تلخیاں خوشگوار ہو جاتی ہیں اُن تلخیوں میں اس قدر شیرینی ہوتی

ہست ازل را و ابد را اتحاد	عقل را رہ نیست زاں سُوز افتقاد
وہاں ازل اور اَبد میں وحدت ہے	گُم ہو جانے کی وجہ سے وہاں عقل کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے

ہے کہ اگر اُس کا ایک قطرہ سمندر میں گر جائے تو اُس کا کھارا پَن دُور ہو جائے۔ اَحوال کو بقاء نہیں ہے۔ وہ طاری ہوتے ہیں اور پھر عالمِ غیب کی طرف چلے جاتے ہیں۔ پھر اسی طرح نئے اَحوال آتے رہتے ہیں جیسے نہر کا پانی گزرتا رہتا ہے اور اُس کی جگہ نیا پانی آجاتا ہے۔ ہر روز ایک نئی خوشی حاصل ہوتی ہے اور ہر روز کے فکر کا نیا اثر ہوتا ہے۔ جو عارف صابر ہوتے ہیں وہ اپنے اَحوال کو اِسی طرح نوازتے ہیں جس طرح کوئی اپنے معزز مہمان کو نوازتا ہے۔

اِنسان کا جسم مہمان خانے کی طرح ہے مختلف فکریں مہمان کی طرح آتی ہیں، صابر عارف اُنکو مہمان سمجھتے ہیں

جب انسان صبح اُٹھتا ہے تو اُس کے ذہن میں ایک نیا خیال آتا ہے۔ دراصل خیال مہمان بن کر آتا ہے۔ صبح ہی نہیں بلکہ ہر وقت خوشی یا غم کا خیال انسان کے ذہن میں آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی مشہور ہے۔ تو جو بھی خیال تجھے آئے اُسے مہمان سمجھ اور اُس کی خوب خاطر تواضع کر۔ ایسا نہ کہہ کہ یہ میرے گلے کا ہار بن گیا ہے کیونکہ تمہارے پاس سے وہ پھر عدم کی جانب پرواز کر جائے گا۔ جان کی قدر اسی لئے ہے کہ اُس میں قوتِ فکر یہ ہے۔ غم کا فکر سینکڑوں خوشیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ فکر انسان کو دوسرے افکار سے دُور رکھتا ہے۔ غم انگیز فکر تمام افکار کو ختم کر دیتا ہے تاکہ دل میں خوشی کا پودا اُگے۔ اہلِ یقین کے پاس غم اُن کی رضامندی سے آتا ہے تاکہ یہ فکر، بارگاہِ خداوندی میں بندے کی شکر گزاری کا ذکر کرے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے غم کو خدائی مہمان سمجھا اور صبر کیا۔ اِس لئے جو نئے افکار دل میں آئیں اُن کو ہنسی خوشی قبول کرو۔ یہ دُعا کرو کہ اللہ اِس فکر کے شر سے مجھے محفوظ رکھ اور مجھے اِس کی بھلائی سے محروم نہ کر۔ جو میں تیری جانب سے دیکھوں اُس پر شکر کروں اور اُس کے چلے جانے کے بعد مجھے حسرت نہ رہے کہ میں نے اُس پر صبر کیوں نہ کیا۔ اپنے غم کو ابر کی طرح سمجھو اور اُس کے فوائد پر غور کرو۔ ہوسکتا ہے اُس فکر میں ہمارے لئے خیر چھپی ہوئی ہو۔ اور اگر خیر مُضمر نہیں ہے تو صبر میں لامحالہ اضافہ ہوگا۔ یہ صبر کی عادت دوسری جگہ بھی کام آئے گی۔ اپنے فکر کو اصل مقصود سمجھ اور اُسی کو مقصود بنا تاکہ مقصد تک پہنچے۔ ورنہ تُو مقصود سے محروم اور اُس کا منتظر ہی رہے گا۔ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے۔ جو کچھ وقت سے آتا ہے اُسے خدا کے اَسماء میں سے کسی اسم کا مظہر سمجھتا ہے۔ شاہ نے ایاز سے کہا کہ اے ایاز! تُو سچائی کا پہاڑ ہے۔ شہوت، غصّے اور کینے کے وقت صبر کرنا ہی اصل مردانگی ہے۔ داڑھی اور آلہ تناسل پر مردانگی کا اطلاق نہیں ہوتا ورنہ تو گدھا سب سے بڑا مرد ہوتا ہے۔ اللہ نے رِجال (مرد) اُن لوگوں کو کہا ہے جن کی رُوح مُصفّیٰ ہو چکی ہو۔ رُوح سے مراد حیوانی نہیں بلکہ انسانی رُوح ہے۔ رُوحِ حیوانی کی ذلت کا منظر دیکھنا ہو تو قصائیوں کے بازار میں جا کر دیکھ لے۔

گفت دُنیا لعبٌ و لہوست و شما اللہ نے فرمایا ہے دُنیا کھیل کُود ہے اور تم	کودکید و راست فرماید خدا بچّے ہو اور خدا درست فرماتا ہے

دِل کی کمزوری وسُستی اور مُجاھدہ نہ کرنے کا نقصان

وہ صوفی جو خانقاہ کے سایہ میں پلا ہو اور مجاہدے کی مشقتیں نہ اُٹھائی ہوں اپنی حماقت سے عوام کی دست بوسی سے اپنے آپ کو کامل انسان سمجھ بیٹھا ہو۔ اسی طرح کا ایک صوفی جہاد کے لشکر کے ساتھ چلا گیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو سامان، خیموں اور کمزوروں کے ساتھ رہ گیا اور جہاد کرنے والوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں نہ گیا۔ مجاہد کامیاب ہو کر واپس آئے اور مالِ غنیمت تقسیم ہوا تو اُس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں جہاد سے محروم رہ گیا ہوں۔ لشکریوں نے کہا کوئی بات نہیں ہم چند قیدی لائے ہیں اُن میں سے ایک کو قتل کر دے اور غازی بن جا کہ اگر وضو نہیں کیا تو تیمم سے ہی کام چلا لے۔ صوفی' قیدی کے ساتھ بہت دیر تک خیموں کے پیچھے رہا تو وہ حیران ہوئے کہ اُس بندھے ہوئے قیدی کے قتل کرنے میں اتنی دیر کیسے ہوگئی۔ وہ وہاں گئے تو دیکھا کہ دونوں ہاتھ بندھا ہوا کافر قیدی، صوفی کے اُوپر سوار ہو کر اُس کے گلے کو چبا رہا تھا اور صوفی بے ہوش پڑا تھا۔ اُس صوفی کا ہاتھ بندھے ہوئے کافر سے جو حال ہوا وہی نفس کے ہاتھوں تیرا حال ہے۔ جب صوفی کو ہوش آیا تو اُس سے بے ہوش ہونے کا قصہ پوچھا کہ ہاتھ بندھے ہوئے قیدی کے نیچے پڑے ہوئے تم بے ہوش کیوں ہوئے؟ وہ بولا: اُس کافر نے عجیب طرح مجھے گھور کر دیکھا اور بڑی بڑی آنکھیں نکالیں اور اُن کو گھمایا تو میں بے ہوش گیا۔ لوگوں نے کہا اگر تیرا اتنا ہی دل گردہ ہے تو پھر جنگ میں مت جا۔ تُو واپس خانقاہ جا اور اپنا دھیان مطبخ کی طرف کر کیونکہ جنگ میں جانے کے لئے تو بڑے حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میدانِ جہاد کوئی مزے کے کھانے کی جگہ نہیں ہے۔ یہاں تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسے لوگ درکار ہیں۔ جنگجوئی نازک دل کا کام نہیں ہے۔

لیکن ہر صوفی کو اُن صوفی صاحب ہی کی طرح مت سمجھو۔ ایک بزرگ جن کا نام ابوبکر محمد بن احمد رحمۃ اللہ علیہ ہے اور جو عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہیں نے فرمایا کہ: میں نوے بار ننگے بدن جنگ میں گیا تا کہ شہادت کا رُتبہ حاصل کروں لیکن ایسا نہ ہوا۔ جب مجھے یقین ہوگیا کہ شہادت میرے مقدر میں نہیں ہے تو میں نے خلوت میں جا کر چلہ کشی شروع کر دی اور اپنے نفس سے کہا: اے خبیث! تُجھے جہاد کی رغبت کیوں پیدا ہوتی ہے؟ سچ بتا دے ورنہ تجھے بہت کچلوں گا۔ نفس نے کہا: تُو مجھے یہاں چلہ کشی میں روز کافروں کی طرح قتل کرتا ہے۔ یہاں تنہائی میں میرے قتل سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ جہاد میں مروں گا تو یک بارگی مر جاؤں گا اور لوگوں میں بھی میری جاں نثاری کی دھوم ہو جائے گی۔ میں نے نفس سے کہا: تُو نفاق کے ساتھ جیا اور اب لوگوں کے دکھاوے کے لئے جہاد کر کے منافق کی موت مرنا چاہتا ہے۔ تُو دونوں

از لعب بیروں نرفتی کودکی
تُو کھیل کود سے باہر نہیں نکلا: تُو بچہ ہے

بے زکاتِ رُوح کے باشد زکی
رُوح کی پاکیزگی کے بغیر تُو پاک کیسے ہو سکتا ہے؟

جہانوں میں ذلیل ہوگا۔

تنہائی کی عبادت ریا کاری سے خالی ہوتی ہے اور خلوت میں چلہ کشی جہادِ اکبر ہے جو سیدنا حیدرِ کرار علی رضی اللہ عنہ کا کام ہے۔ دشمن نفس سے لڑنا یہ بہادروں کا کام ہے۔ جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر اُس بزدل کا کام نہیں ہے جو چوہے کی دُم سے بھی ڈر جائے۔ ایسے شخص کو عورتوں کی طرح خانہ نشین ہو جانا چاہیے۔ ایسا صوفی' صوفیوں کو بدنام کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کی دیوار پر غیرت کی وجہ سے بہت سے صوفیوں کی تصویریں بنا دی ہیں تا کہ اُس کے محبوب صوفی اُن تصویروں میں مخفی رہیں۔ یہ تصویریں صرف اُس وقت تک متحرک ہیں جب تک کوئی حقیقی صوفی جلوہ گر نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ایک صوفی کا قصہ سُن۔ وہ صوفی کافروں پر حملہ کے وقت آگے ہوتا۔ زخم کھا کر فوراً مرہم پٹی کروا کر پھر حملہ آور ہو جاتا تا کہ صرف ایک ہی زخم سے موت نہ آ جائے۔ اُسے افسوس ہوتا اگر وہ ایک ہی زخم سے جان دے دیتا۔

ایک اور قسم کا مجاہدہ کرنے والا

یاد رکھو! مقصد پورا ہونے سے بھی نفس کو راحت ملتی ہے اور مقصد سے بالکل مایوس ہونے سے بھی نفس کو راحت ملتی ہے۔

اُس مجاہدہ کرنے والے کے پاس چالیس درہم تھے وہ اُن کو تلف کرنا چاہتا تھا تا کہ نفس کو راحت نصیب نہ ہو۔ وہ ہر رات ایک درہم دریا میں پھینک دیتا۔ نفس اُسے کہتا کہ اگر پھینکنا ہے تو سب ایک دفعہ ہی پھینک دے۔ اگر مایوسی ہو جائے تو تگ و دو سے بچنے پر نفس آرام محسوس کرتا ہے۔ اُس صوفی نے نفس پر گرفت کر رکھی تھی تا کہ ایک ہی زخم کھا کر شہید ہو جانے والا مجاہد نہ بنے بلکہ جہادِ اکبر میں مسلسل مصروف رہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن میں ہے ''نیکوں کی روحیں سچائی کی جگہ ہوں گی صاحبِ قدرت خدا کے پاس'' پہلے بھی صدق کے بارے میں آیت آئی جس کا مطلب اللہ کے راستے میں جان دے دینا ہے۔ ''مومن وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ سچ کر دکھایا اور راہِ خدا میں شہید ہو گئے''۔

راہِ خدا میں مرنا جسم کا مرنا نہیں ہے کیونکہ یہ تو رُوح کا آلہ ہے بلکہ اوصافِ رذیلہ کا ازالہ اور نفس کو مارنا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو جہاد میں مرتے ہیں لیکن اُن کا نفس زندہ رہتا ہے۔ تو وہ تو خدا کی راہ میں نہ مرے۔ نفس کا زندہ رہنا اور جسم کا مر جانا تو ایسا ہی ہے جیسے ڈاکو زندہ رہے اور اُس کا ہتھیار یا گھوڑا فنا ہو جائے۔ اگر محض خون بہا دینا شہادت ہو تو ہر کافر جو جنگ میں مرے اُسے شہید کہو اور کافر بھی ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے نفس کشی کر لی ہے اُن کا نفس مردہ ہو چکا ہے لیکن وہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مردہ کو چلتا پھرتا

بد محالے جست کو دنیا بجست
جس نے دُنیا کی جستجو کی اُس نے باطل کی جستجو کی

نیک حالے جست کو عقبیٰ بجست
جس نے آخرت کی جستجو کی اُس نے اچھی عاقبت کی جستجو کی

دیکھنا چاہے تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے۔ جسم تو وہی پہلے والا ہی ہے لیکن اب یہ وہ شخص نہیں۔ یہ اپنے آپ کو فنا کر چکا اور بقاء باللہ حاصل کر چکا ہے۔

خلیفۂ مصر کا حاکمِ موصل کی ایک لونڈی پر عاشق ہونا اور اُس کے حصُول کے لیے موصل پر حملہ کرنا

مصر کے خلیفہ سے ایک چغل خور نے کہا کہ موصل کے حاکم کے پاس بہت ہی خوبصورت لونڈی ہے اُس نے اُسے اُس لونڈی کی تصویر بھی دکھائی۔

خلیفہ تصویر دیکھ کر ایسا لالچ میں آیا کہ اُس نے ایک بہادر سردار کو لشکر دے کر موصل روانہ کر دیا کہ لونڈی کو زبردستی حاصل کر کے لے آؤ۔ وہ لشکر لے کر روانہ ہو گیا۔ اُس کی جنگ سے موصل کا حاکم ڈر گیا اور اُس نے قاصد بھیجا کہ سردار سے پوچھے کہ اُس کا اس تباہی سے مقصد کیا ہے۔ جو کچھ چاہو مجھ سے لے لو لیکن لڑائی کو بند کر دو۔ قاصد پیغام لایا تو پہلوان (بہادر سردار) نے بتایا کہ اِس تصویر والی حسینہ تمہارے قبضے میں ہے۔ وہ ہمیں دے دو۔ موصل کے حاکم نے فوراً وہ لونڈی اُس کے حوالے کر دی۔ جب پہلوان نے لونڈی کو دیکھا تو اُس کے حُسن پر خود عاشق ہو گیا۔

عشق تمام کائنات کی حرکت کا سبب ہے جو کہ اس کائنات میں پنہاں ہے ورنہ یہ کائنات درجہ کمال کو نہ پہنچتی۔ اگر اس میں عشق کی تحریک نہ ہو تو یہ ٹھٹھر کر رہ جائے۔ عشق ہی کی بدولت یہاں کا ہر ذرّہ کمال کا خواہاں ہے۔ قرآن میں ہے ''آسمان اور زمین کا ذرہ ذرہ اللہ کا تسبیح خواں ہے''۔ ہر ذرّے کی تسبیح اُس کے عشق کی دلیل ہے اور اُسی کے ذریعے عاشق لوگ جان کے لئے اپنے جسم کو فنا کرتے ہیں۔

پہلوان عشقِ حقیقی کو نہ سمجھا اور لونڈی پر عاشق ہو گیا اور کنویں میں گرنے کو صاف راستہ سمجھا۔ اُس پر شہوت کا اِس قدر غلبہ ہوا کہ وہ بھول گیا کہ اُس میں شاہِ مصر کے غصّے کا بھی خطرہ ہے۔ اُس نے سوچا مجھے موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ شہوت کے عاشق کی عقل ماری جاتی ہے، اُس کو آگا پیچھا نظر نہیں آتا۔ یہ خرابی اِس لئے آئی کہ شاہِ مصر نے پہلوان کو لونڈی کا محرم بنایا۔ شہوت کی آگ تو صرف اللہ تعالیٰ کا آبِ رحمت ہی بجھا سکتا ہے۔ جس طرح اُس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس آفت سے بچا لیا تھا۔ نفس کو صرف کسی کامل شیخ کے ذریعے ہی مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ چلتے ہوئے راستے میں لشکر نے پڑاؤ کیا۔ پہلوان شہوت کی آگ سے اندھا ہو رہا تھا۔ مجبور ہو کر وہ لونڈی کے خیمے میں گھس گیا۔ اب عقل اور خلیفہ کا ڈر دونوں اُس سے دُور ہو چکے تھے۔ جب شہوت آگ لگاتی ہے تو عقل گھاس پھونس کی طرح جل جاتی ہے۔ وہ لونڈی سے مصروف ہو گیا تو اُسی وقت ایک نر شیر نے لشکر کے درمیانی حصے میں حملہ کر دیا۔ پہلوان نے تلوار اُٹھائی اور شیر کا سر

چیست دُنیا، از خُدا غافل بُدن	نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
دُنیا کیا ہے؟ اللہ سے غافل ہو جانا	نہ کہ ساز و سامان اور چاندی اور بیوی، بچے

پھاڑ دیا اور فوراً لونڈی کے خیمے میں واپس آ گیا۔ جب وہ لونڈی کے پاس پہنچا تو اُس کی شہوت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ لونڈی اُس کی مردانگی کی اِس حالت سے حیران رہ گئی۔

جب عورت اور مرد جفتی کرتے ہیں تو اُس کا یقینی نتیجہ ہوتا ہے کہ حمل ٹھہر جاتا ہے۔ اِس طرح دو شخص کوئی اور معاملہ کرتے ہیں تو اُس کے نتائج صُورِ معنویہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ موالیدِ صوری تو اس دنیا میں نظر آتے ہیں لیکن موالیدِ معنوی عالمِ آخرت میں نظر آئیں گے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ خوب دیکھ لے کہ جس کے ملاپ سے نتیجہ برآمد ہوگا وہ کس قسم کا ہے۔ قرآن میں ہے کہ "ہم قیامت میں مؤمنین کی مومن ذرّیت یعنی اولاد کو اُس کے ساتھ کر دیں گے"۔ دراصل یہ ذرّیت ہمارے اعمال کے نتائج ہیں کیونکہ آخرت میں ہمارا ہر عمل گویا ہوگا۔ عالمِ غیب میں ہر شخص کے اعمال اُس کے منتظر ہیں۔ پہلوان لونڈی سے فارغ ہوا تو اُس نے اُسے قسم دی کہ تُو راستے کا واقعہ شاہِ مصر کو نہیں بتائے گی۔ پہلوان اُسے خلیفہ کے پاس لے گیا۔ اُس نے لونڈی کی جو تعریف سُنی تھی اُس سے کئی گنا بڑھ کر پایا۔

کسی چیز کے اَوصاف سننے سے اُس کی تصویر ذہن میں پیدا ہوتی ہے لیکن اہلِ شُنید کا رُتبہ اہلِ دید سے کمتر ہے۔ ایک شخص نے کسی سے حق اور باطل کی حقیقت کے بارے میں سوال کیا۔ اُس نے اپنا کان پکڑ کر بتایا کہ اِس کے ذریعے جو علم حاصل ہو وہ باطل ہے۔ آنکھ کے ذریعے جو علم ہوتا ہے وہ صحیح اور یقینی ہوتا ہے۔ ہم نے سُنی ہوئی بات کو دیکھی ہوئی کے مقابلے میں جو باطل کہا ہے وہ کثرت کے اعتبار سے ہے یعنی اکثر یہی صورت ہوتی ہے ورنہ چمگادڑ کو سورج کا علم مُشاہدہ سے اگرچہ حاصل نہیں ہے لیکن وہ پھر بھی درست اور صحیح ہے۔ روشنی کا خوف اُسے سورج کا خیال دلاتا ہے اور وہ خیال اُسے تاریکی میں لے جاتا ہے۔ دشمن کا خیال انسان کو دوست پیدا کرنے اور اُن سے ملنے پر مجبور کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مُشاہدہ کے درجے کا علم تھا۔ کوہِ طور کو اُس درجہ کا علم نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ پہاڑ پر موثر ہوا۔ پہاڑ کو مُشاہدہ حاصل نہ تھا لیکن انسان کو حق تعالیٰ کے صرف خیال ہی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ محض خیال سے واصل بحق نہیں ہو سکتا۔ خیال ویسے تو بیکار ہوتا ہے لیکن اگر خیال مُشاہدے کے درجے میں آجائے تو پھر مفید ہو جاتا ہے۔ انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ جس کے بارے میں اُس نے صرف سُنا ہے وہ مشہود بن جائے اور اُن میں کسی باطل کا احتمال نہ رہے، پھر کان آنکھ کا درجہ حاصل کرلے گا۔ یاد رکھو! حُسن کی بات سُن کر انسان وصالِ محبوب تک پہنچ جاتا ہے۔ سننے سے جو خیال پیدا ہوا ہے اُس کو وصال کا راہبر بنا لے۔

شاہِ مصر اُس لونڈی سے احمقانہ عشق کرنے لگا۔ اُس کی یہ بَدمستی سلطنت کی وجہ سے تھی۔ انسان جسے سلطنت سمجھتا

مال را کز بہرِ دیں باشی حَمُول	نِعْمَ مالٌ صالحٌ خواندش رسُول
وہ مال جو دین کی راہ میں خرچ ہو	اُس کو رسُول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین اچھا مال فرمایا ہے

ہے اُس کی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ سلطنت کا گھمنڈ انسان کے لئے جلاد کا کام کرتا ہے۔ اُس دنیا کو اور اس کی سلطنت کو امن کی جگہ نہ سمجھ، امن کی جگہ عالَمِ آخرت ہے۔

آخرت کے مُنکروں کی کمزور دلیل

عالَمِ آخرت کے منکر کی دلیل یہ ہے کہ اگر عالَمِ آخرت ہوتا تو میں اُس کو دیکھ سکتا۔ لیکن کسی کے نہ دیکھ سکنے سے اِس چیز کا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔ بچّہ عقل کے اَحوال کو نہیں دیکھ سکتا لیکن عقل مند تو اُس کا انکار کبھی نہیں کرے گا۔ اگر کوئی صاحب عشق کے اَحوال نہیں دیکھ سکتا ہے تو اُس کے نہ دیکھ سکنے سے عشق میں کوئی زوال نہیں آتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا حُسن بھائیوں کو نظر نہ آیا تو اِس سے اُس کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شروع میں عصا کی حقیقت نہ دیکھ سکے لیکن اُس کا وجود تھا تب ہی قبطی نے اُسے دیکھ لیا۔ باطنی آنکھ اور ظاہری آنکھ میں اختلاف تھا۔ باطنی آنکھ نے دلیل پیش کی اور حقیقت واضح ہوگئی۔ ایک ہی چیز ایک انسان کے لئے خیالی ہے اور دوسرے کے لئے یقینی۔ جو شخص پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کو ہی حقیقت سمجھے اُس کو اَسرار کی باتیں سُنانا بے کار ہیں۔ نورِ باطن صرف اُن لوگوں کو ہی حاصل ہوتا ہے جو پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت سے بَری ہیں۔ سورۃ الکافرون میں کافروں سے کہہ دیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین''۔

خلیفہ کا حسینہ کے پاس جانا

جب خلیفہ لونڈی کے لئے بالکل تیار ہوگیا تو قضاء نے راہ روک دی۔ کسی چوہے کی کھٹ کھٹ کی آواز ہوئی اُس کے دل میں یہ خیال آیا کہ بستر کے نیچے سانپ کے چلنے کی آواز ہے۔ خوف سے اُس کی شہوت ختم ہوگئی۔ شاہِ مصر کی نامردی اور پہلوان کی مردانگی کو یاد کر کے لونڈی ہنسنے لگی۔ وہ ایسا ہنسی کہ اُسے خیال ہی نہ رہا کہ بادشاہ کی ناراضگی اُسے نقصان پہنچائے گی۔ ہنسنے اور رونے کے خزانے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ لونڈی کے بے تحاشہ ہنسنے پر بادشاہ کو غصہ آگیا۔ اُس نے تلوار نکال لی اور کہنے لگا: ہنسی کا صحیح راز بتادے، غلط بات سے مجھے اطمینان نہیں ہوگا سچ سچ کہہ دے۔ میرے دل میں عقل کی روشنی ہے میں سمجھ جاؤں گا۔ اگر تُو سچ بتادے گی تو میں تُجھے آزاد کردوں گا۔ لونڈی عاجز آگئی اور اُس نے پہلوان کا سارا قِصہ سُنایا اور کہا کہ وہ شیر کو قتل کر کے آیا اور اُس کی شہوت میں پھر بھی کوئی کمی نہیں آئی لیکن آپ کی یہ حالت ہے کہ چوہے کی کھٹ کھٹ سے ختم ہوگئے اور میں اس بات پر ہنسی۔

اے انسان! ہر راز کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو کر رہتا ہے اس لئے بدی کا بیج نہ بو کیونکہ وہ ضرور اُگے گا۔ گرمی اور پانی

آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست
کشتی میں پانی بھرنا کشتی کی تباہی ہے

آب اندر زیر کشتی پُشتی ست
کشتی کے نیچے پانی کا ہونا کشتی کے لیے مددگار ہے

سے زمین میں سے ہر چیز اُگ آتی ہے۔ حشر نشر کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔ انسان پر جو مصیبت آتی ہے وہ اُسی کے کسی عمل کا پھل ہوتی ہے لیکن انسان سمجھتا نہیں ہے کہ یہ تکلیف اور رنج کس گناہ کا نتیجہ ہے جبکہ اہلِ باطن سمجھ جاتے ہیں۔ گناہ اور اُس کے پھل میں کوئی مشابہت نہیں ہوتی' جس طرح بیج اور پھل میں۔ انگور بیل سے پیدا ہوا اُن میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ جنت عبادت کا پھل ہے لیکن اُن میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔ اصل اور نتیجہ میں گو کوئی مشابہت نہیں ہے لیکن نتیجہ کو اصل سے ہی سمجھو۔ خواہ انسان عبرت حاصل کرنے کے لئے اُس گناہ کو نہ سمجھ سکے لیکن گناہ کی معافی کی درخواست ضرور باری تعالیٰ کے حضور کرنی چاہیے۔ سجدہ کر کے کہنا چاہیے: ''یہ میرے گناہ کی سزا ہے اس لئے تیری بخشش کا طلبگار ہوں۔ اے اللہ! جب تُو نے میری خطا کو اِس بارے میں پوشیدہ کر دیا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ مصیبت کس خطا کی وجہ سے آئی ہے۔ تُو اب ہمیشہ کے لئے میری اس خطا کو چھپا دے''۔ سزا جرم کے اظہار کا سبب بن جاتی ہے۔ جب چور کی پٹائی ہوتی ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اُس نے چوری کی ہے پھر بادشاہ کی کہانی سُن لے تاکہ عاجزی کے اسرار تجھ پر ظاہر ہو جائیں۔

بادشاہ کا اپنی خیانت سے واقف ہو کر چشم پوشی کرتے ہوئے کنیز کو سردار کو دینا اور مَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَاِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ''جس نے بُرائی کی تو وہ اُس پر ہے بے شک تیرا رب گھات میں ہے'' کی تفسیر

بادشاہ سمجھ گیا کہ پہلوان نے جو خیانت کی ہے وہ میرے ظلم کی سزا ہے۔ اِس لئے اُس نے طے کیا کہ اب وہ پہلوان پر ظلم نہیں کرے گا ورنہ قدرت کی طرف سے اور سزا ملے گی بلکہ یہ لونڈی اُسی کو دیدے۔ بادشاہ نے کہا: یہ سب کچھ میرے ظلم کی سزا ہے۔ میں نے حاکمِ موصل کی لونڈی پر نظرِ بد ڈالی تو اُس کے بدلے میں میری لونڈی پر پہلوان نے نظرِ بد ڈالی۔ میں نے دوسرے کی پردہ دری کی تو میری پردہ دری ہوئی۔ جو شخص دوسروں کی بیویوں سے فسق کرتا ہے وہ دیوث ہے۔ دراصل وہ اپنی بیوی کے بارے میں چاہتا ہے کہ لوگ اُس سے فسق و فجور کریں۔ اس لئے بُرائی کا بدلہ اس جیسی بُرائی ہی ہوتی ہے۔ میں پہلوان سے کیا کہوں یہ تو سب کچھ میرا خود کردہ ہے اب پہلوان پر کوئی زیادتی مناسب نہیں۔ صبر اور رحم سے کام لینا ہی مناسب ہے۔ اب تو بارگاہِ خداوندی میں بھی دُعا کرنی چاہیے کہ ہم سے ظلم ہوا' غلطی ہوئی' تُو معاف کر دے۔ اے اللہ! میں نے پہلوان کو معاف کر دیا ہے تو بھی مجھے معاف کر دے۔ اُس نے لونڈی کو

ہیں و ہیں اے راہ رو بیگاہ شد
خبردار اے مسافر بے وقت ہو گیا ہے

آفتاب عمر سوئے چاہ شد
عمر کا سُورج ڈوبنے کیلئے کنوئیں کی جانب چل پڑا ہے

ہدایت کی کہ پہلوان کا قصہ اب کسی سے نہ کہنا۔ میں نے طے کرلیا ہے کہ پہلوان سے تیری شادی کردوں گا۔ اُس نے اگر ایک بُرائی کی ہے تو سینکڑوں بھلائیاں کی ہیں۔ میں اُسے شرمندہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے پہلے تجھ سے بھی زیادہ حسین لونڈیاں اُس کے سپرد کی ہیں لیکن اُس نے کبھی خیانت نہیں کی۔ یہ میری بُرائیوں کی سزا مجھے ملی ہے۔ بادشاہ نے پہلوان کو بلوایا اور اُس سے بہانہ کیا کہ میں اِس لونڈی سے متنفر ہوں کیونکہ میری بیوی اِس کی وجہ سے بہت نالاں ہے۔ اب اِس لونڈی کا تُو سب سے زیادہ مستحق ہے۔ شاہ نے لونڈی کا نکاح پہلوان سے کردیا اور اپنے غُصّے کو ختم کردیا۔

حق تعالیٰ نے حیوانی طاقتوں کی تقسیم ہر ایک کے مناسبِ حال کی ہے۔ کسی کو تو گدھوں کی سی شہوانی طاقت دی ہے اور کسی کو فرشتوں اور نبیوں کی ذہانت اور ذکاوت عطا کی ہے۔ خواہشات پر قابو پانا سرداری کی دلیل ہے اور پیغمبری صفت ہے۔ جو شخص شہوت کی تخم ریزی کرے گا وہ قیامت میں اُس کا پھل ضرور پائے گا۔ شاہِ مصر میں گدھوں جیسی مردی طاقت نہ تھی بلکہ اُس میں معنوی مردی تھی۔ اصل مردی وہ ہے جو پیغمبروں میں ہے۔ وہی جنت میں لے جائے گی اور شہوت پرست کی مردی تو چھلکا اور دوزخ کی طرف لے جانے والی ہے۔

غزنوی کا ایاز کو خطاب، ارکانِ دولت کا اِمتحان لینا اور ایاز کی فرمانبرداری اُن کو دکھانا

شاہ نے ایاز سے کہا کہ تُو میرے حکم کی لذّت سے واقف ہے اِسی لئے تو مجھ پر جان چھڑکتا ہے۔ بادشاہ نے دربار میں بیٹھے ہوئے سرداروں کے سامنے ایک بہت ہی قیمتی موتی نکالا۔ اپنے وزیر کو دکھا کر پوچھا اس کی قیمت کیا ہوگی؟ وزیر بولا: اس کی قیمت تو سینکڑوں بورے سونا ہے۔ شاہ نے کہا: اِسے توڑ دے۔ وزیر بولا: یہ بہت قیمتی ہے ضائع ہو جائے گا۔ شاہ نے اُسے شاباش اور انعام دیا۔ پھر اپنے مصاحب سے پوچھا کہ اِس موتی کی قیمت کیا ہوگی؟ اُس نے کہا: آدھی سلطنت ہوگی۔ اُسے بھی موتی کو توڑنے کا حکم دیا۔ وہ بولا: ایسے قیمتی موتی کو توڑنے سے میرے ہاتھ قاصر ہیں۔ پھر وہ موتی اور امیروں کے پاس سے ہوتا ہوا گیا اور سب نے وہی ایک جواب دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ یہ جواب سُن کر انعام دے رہا ہے اور خوش ہو رہا ہے۔

آخر میں شاہ نے موتی ایاز کو دیا۔ اُن نے پہلے امیروں جیسا جواب نہ دیا اور بادشاہ کے اُن کو انعامات وغیرہ دینے کے دھوکے میں نہ آیا۔ دیکھا دیکھی کا ایمان معتبر نہیں ہوتا کیونکہ ایمان کا تعلق یقین سے ہے اور مُقلِّد کو عموماً یقین حاصل نہیں ہوتا۔ صاحبِ ایمان وہ لوگ ہوتے ہیں جو عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ بادشاہ نے ایاز سے موتی کی

این دو روزک را کہ زورت ہست زود
باقی چند دِنوں میں جبکہ طاقت ہے جلدی کر

پیر افشانی بکن از راہِ جود
بڑھاپے میں جوانی کا کام (عبادت) کرلے

قیمت لگوائی۔ جواب میں ایاز نے کہا کہ اِس کی قیمت کا تعین کیا ہی نہیں جا سکتا۔ بادشاہ نے اُسے کہا کہ اِسے توڑ ڈال۔ اُس نے آستین میں سے پتھر نکالا اور اِسے فوراً توڑ ڈالا۔ دانائی نے اُس کا ساتھ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ بادشاہ کا حکم موتی سے زیادہ قیمتی ہے۔

شطرنج میں جب جیت کا یقین ہو تو اسپ اور فیل کے پٹ جانے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ انسانی اوراک کے بھی مختلف درجے ہیں۔ زاہد کو انجام کا غم رہتا ہے۔ جو لوگ مکمل ہیں اُن کو ابتداء ہی سے انجام کا علم ہو جاتا ہے اور اُن کا علم خوف اور اُمید کو ختم کر دیتا ہے۔ عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ جو بویا ہے اُس کی پیداوار کیا ہوگی۔ اِس لئے وہ انجام کے شور و غم سے بے نیاز ہوتا ہے۔ ابتداء میں اُسے بھی خوف اور اُمید تھی لیکن جب اُس پر حقیقت واضح ہوگئی تو خوف ختم ہو گیا اور اُمید باقی رہ گئی کیونکہ وہ نور بن کر نورِ مطلق کے تابع ہو گیا۔

امیروں نے شور مچا دیا کہ یہ ایاز کی کیسی بے باکی ہے کہ اتنا قیمتی موتی توڑ ڈالا۔ وہ اپنی جہالت سے یہ نہ سمجھے کہ ایاز نے تو صرف موتی توڑا۔ اُن لوگوں نے شاہ کا حکم توڑا ہے۔ محبت کے موتی سے اُنہوں نے اُس موتی کو قیمتی سمجھا۔ ایاز بولا: بتاؤ موتی زیادہ قیمتی تھا یا بادشاہ کا حکم؟ بادشاہ کو چھوڑ کر موتی کی طرف توجہ کرنا محبت کا شرک ہے۔ صانع کے سامنے مصنوعات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اِس لئے ہر کام میں صانع کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اِس دنیا کی خوش نمائی اور حُسن، راہ کی رکاوٹ اور موتی کی طرح ہے۔ اصل موتی تو شاہ کی خوشنودی تھی۔ تم لوگوں نے نافرمانی کر کے اُسے توڑ دیا۔ ایاز کی اس تقریر نے امیروں کو شرمندہ اور حیران کر دیا۔ اُنہوں نے اپنے سر جھکا دیئے کہ ہم سے بھول ہوگئی۔ شاہ نے اُن سرداروں کی نافرمانی پر اُن کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا کہ یہ میری مجلس کے لائق نہیں ہیں۔ اُنہوں نے ایک پتھر کو میرے حکم سے افضل سمجھا۔ ایاز فوراً شاہی تخت کی طرف دوڑا اور اُس کے سامنے سر جھکا کر سفارش کرنے لگا۔ ایاز نے شاہ سے کہا کہ آپ ہُما ہیں۔ آپ ایسے کریم ہیں کہ دنیا کے کریموں نے آپ سے کرم حاصل کیا ہے۔ آپ کا عفو اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ مغفرت آپ سے سیر چشم ہو رہی ہے۔ جو شخص آپ کی حکم عدولی کرتا ہے وہ آپ کے عفو کا سہارا لے کر ہی کرتا ہے۔ آپ کی رحم دلی اور عفو کی صفت غلاموں کو گستاخ اور غافل بنا دیتی ہے۔ قرآن میں ہمیں دُعا سکھائی گئی ہے "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا" "اے اللہ! ہماری بھول پر ہماری گرفت نہ کر"۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بھول بھی گناہ ہے ورنہ گرفت نہ کرنے کی دُعا کیوں سکھائی جاتی۔ وہ بھول جو بے پرواہی سے ہو قابلِ مواخذہ ہے۔ البتہ اگر یاد کرنے کی ساری تدبیریں کر لی گئی ہوں اور پھر بھول ہو جائے تو اُس پر گرفت نہیں ہے۔ اِس لئے کہ اُس نے پہلی صورت میں

این قدر تخمی کہ ماندست بکار
جتنا بیج بچ گیا ہے اُسے ہی بو دے

تا در آخر بینی آں را برگ و بار
تاکہ تُو آخرت میں اُس کے پھل اور پتے دیکھ لے

وہ اسباب اختیار نہ کیے جو وہ کرسکتا تھا۔ اگر شراب سے مست آدمی جرم کرے اور کہے میں بھول گیا کیونکہ بے خود تھا اس لئے معذور تھا تو حاکم اُس سے یہی کہے گا کہ بے خودی کا سبب تُو نے خود اختیار کیا تھا۔ تُو نے جان بوجھ کر اپنا اختیار ختم کیا اس لئے تُو معذور نہیں ہے۔ ہاں اگر اللہ نے تجھے مست کیا ہوتا تو تُو ہمارا آقا ہوتا۔ ایاز نے کہا: اے شاہ! دنیا کی سب معافیاں تیرے عفو کی ثنا گو ہیں۔ اے انسانو! اُس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ اُس کا ہمسر قرار دینے سے بچتے رہو۔ ایاز نے کہا: اُن کی جان بخشی کر دیجئے۔ جنہوں نے آپ کا چہرہ ایک بار دیکھ لیا ہے وہ آپ سے جُدائی کی تلخی کیسے برداشت کریں گے۔ یہ آپ کے عاشق ہیں اور عاشق کے لئے یار کی جُدائی سے بدتر اور کوئی سزا نہیں ہے۔ آپ اُن کو فراق کی سزا نہ دیں۔ وصل میں جان دے دینا فراق کی زندگی سے بہتر ہوتا ہے۔

سزا کے وقت فرعون سے ساحروں کے بیان لَا ضَیْرَ اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ "اور کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے" کی تفسیر

جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہمارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ ہم اپنے ربّ کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ اُن کی اس بات پر آسمان بھی رقص کرنے لگا۔ اُنہوں نے کہا کہ تُو اگر ہمارے جذبے کو سمجھ جاتا تو ہمیں تکلیف نہ دیتا۔ تُو اپنی مصر اور نیل کی سلطنت پر غرور نہ کر۔ اگر تو اس سلطنت کو ٹھکرا دے گا تو تیری رُوح میں اس قدر وسعت پیدا ہو جائے گی کہ دریائے نیل اُس میں غرق ہو جائے۔

فرعون کہتا تھا: اے قوم! میں تمہارا ربّ ہوں۔ ساحروں نے کہا تو "انا" اور "ربّ" دونوں الفاظ کی حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ "انا" وہ ہوتی ہے جو فنا کے بعد حاصل ہو لیکن تُو اس سے ناواقف ہے۔ تُو لفظ "ربّ" کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے۔ جو اپنی رعایا سے خوفزدہ ہو وہ "ربّ" کیسے ہو سکتا ہے۔ اصل انانیت تو تب حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی انانیت اور خودی کو چھوڑ دے، جو مصیبت اور مشقت کا کام ہے۔ تجھ میں جھوٹی "انا" ہے۔ ہم فنا ہو چکے ہیں ہماری "انا" ایک دولت ہے۔ تیری یہ سولی ہمارے لئے قربِ خداوندی کا بُراق بن گئی ہے۔ اوصافِ بشری فنا کرنے سے پہلے "انا" کہنا تو ازل سے مردود ہے۔ فنا کے بعد "انا" محمود ہے اور اُس کی آواز چنگ باجے کی طرح ہے۔ جس "انا" میں بشری انانیت نہ ہو اُس سے رُوح خوش ہو جاتی ہے اور اس "انا" کی بدولت انسان اُس "انا" سے نجات پا جاتا ہے۔ یاد رکھو فنا اپنی "انا" کو ختم کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس معاملے میں عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی۔ اگر عقل راستہ دیکھنے والی ہوتی تو فخر الدین رازی دین کے رازدار ہوتے۔ یہ مسائل ذوقی ہیں۔ جس نے اس کا مزہ نہیں چکھا وہ

ایں قدر عمر کہ ماندست بباز　　　　تا بروید زیں دو دم عمر دراز
جتنی عمر باقی ہے اُس کو بازی پر لگا دے　　　　تا کہ تیرے یہ دو سانس لمبی عمر کی کھیتی بن جائیں

اُن کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اِس راہ میں دلائلِ عقلیہ حیرت میں اور اضافہ کر دیتے ہیں۔ عقل والے لوگ تو حلول اور اتحاد جیسے عقیدوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بقاء اور فنا کی صحیح مثال اگر ہے تو یہ ہے کہ جس طرح ستارہ شعاعِ شمس میں گم ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح عبدِ حادث اپنے آپ کو ربِ قدیم میں گم کر دیتا ہے۔

ایاز کا معافی چاہنے میں خود کو مُجرم قرار دینا

ایاز نے اُس سفارش کے بارے میں بھی اپنے آپ کو قصوروار سمجھا اور عذر خواہی کرنے لگا۔ یہ صورت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان شاہ کی عظمت کو سمجھ چکا ہو۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''میں خدا کو تم سے زیادہ جانتا ہوں اور خدا سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں'' اور اللہ نے فرمایا ہے کہ ''اللہ کو جاننے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں''۔ ایاز نے کہا کہ میں کون ہوتا ہوں کہ آپ کے سامنے کسی کی سفارش کروں کیونکہ میرا سفارش کرنا اپنی ہستی کا اقرار کرنا ہے جو غیر مناسب بات ہے۔ سفارش کرنا میری گستاخی ہے کیونکہ آپ خود سب کچھ جانتے ہیں۔ ہاں اگر آپ نے معافی کا اختیار مجھے دے کر مجھے کسی قابل بنا دیا ہے تو کرم کر کے میری خوشامد کو بھی سُن لیجئے۔ اب مَیں 'مَیں' تھیں ہوں بلکہ آپ ہی ہیں اور یہ سفارش بھی آپ ہی کی ہے۔ جب میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے تو تُو نے ہی سفارش کی توفیق دی ہے۔ اب تُو اِسے قبول کرلے۔ دُعا کرنے والا تو دُعا کی قبولیت کی اُمید ہی کر سکتا ہے۔ میں تو خود مرض تھا شاہ نے مجھے دوا بنا دیا۔ اُس کے فضل نے مجھے کوثر بنا دیا' جو جلے ہوؤں کو زندگی بخشتی ہے۔ اب میری مثال مرہم کی سی ہے جو سڑے ہوئے زخم پر دوبارہ عمدہ گوشت پیدا کر دیتا ہے۔ گنہگاروں کی دوزخ خزاں کی طرح ہے اور کوثر اُن دوزخیوں کے لئے بہار اور چمن کی طرح ہے۔ جو لوگ دوزخ کی آگ سے جل گئے ہیں اُن کو اللہ کا کرم کوثر کی طرف بلاتا ہے۔

حدیثِ قدسی ہے ''میں نے مخلوق اس لئے پیدا کی ہے تاکہ وہ مجھ سے فائدہ اُٹھائے نہ کہ اِس لئے کہ میں اُس سے فائدہ اُٹھاؤں''۔ مخلوق کی معافیاں اپنی اصل کی طرف پرواز کرتی ہیں۔ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ معافیاں اللہ تعالیٰ دن بھر انسانی بدنوں میں محبوس رکھتا ہے اور شام کو اپنے محل کی طرف پرواز کر جاتی ہیں۔ اُن کی یہ آمد و رفت اُس وقت تک ہے جب تک کہ زندگی مقدر ہے۔ اُن کی واپسی پر اللہ کا کرم آواز دیتا ہے کہ آجاؤ۔ اب اُس واپسی کے بعد دنیا کا درد و رنج ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ کا کرم فرماتا ہے: ''تم نے مسافرت کی تکلیفیں اُٹھائی ہیں اب کرم کے سایہ میں پاؤں پھیلا کر سو جاؤ''۔ اب اُن پاؤں کو جنہوں نے اللہ کی عبادتوں میں مشقتیں اُٹھائی ہیں حوروں کے

ایں قدر عمر کہ ماندست بیار
جتنی عمر باقی ہے اُس کو بازی پر لگا دے

تا بروید زیں دو دم عمر دراز
تاکہ تیرے یہ دو سانس لمبی عمر کی کھیتی بن جائیں

ہاتھوں پر پھیلا دو۔ اُن لوگوں کی حالت جو اللہ کی عبادت خلوص سے کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے سورج کی روشنی جو نجاستوں پر سے گزرتی ہوئی پاک صاف واپس سورج کی طرف لوٹ جاتی ہے' آلودہ نہیں ہوتی۔ یہ صوفی بھی دنیا کی نجاستوں پر سے پاک صاف گزر جاتے ہیں اور واپس اصل کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ خطا کار بھی شرمندہ ہو کر آہیں بھرتے ہیں اور اُن کا رُخ تیری مہربانی کی طرف ہے۔ آلودہ ہو جانے والوں پر بھی نظر کر اور اُن کو جلد راستہ عطا کر دے تا کہ معافی کی نہر اور چشمے تک پہنچ جائیں اور حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح غسل کر کے پاک ہو کر نماز میں شریک ہو جائیں اور کہیں "بے شک ہم صفیں باندھنے والے ہیں"۔ اسرار شفاعت کا بیان اسرار کا ایک بے پایاں سمندر ہے اور ہماری مثال اُس پر تیرنے والے سکورے کی سی ہے۔ سکورہ سمندر کو نہیں ناپ سکتا۔ اگر یہ اسرار تجھے نظر نہیں آتے تو حجاب سے باہر نکلنے کی کوشش کر پھر عجب بادشاہی دیکھے گا۔

ایاز نے کہا: اے شاہ! اس مست قوم نے آپ کے حکم کا جام توڑا ہے لیکن چونکہ یہ آپ کے مست ہیں اس لئے معذور ہیں۔ ان کی مستی اُس رُتبے اور مال کی وجہ سے ہے جو آپ نے انہیں دیا ہے۔ جب تُو ان پر ہر طرح کی مہربانیاں کرتا ہے تو اُن کے اثر سے یہ مست ہو جاتے ہیں۔ شرعی حکم ہے کہ مست پر نشہ کی حالت میں کوڑے نہیں لگائے جاتے۔ جب شراب کا نشہ اترتا ہے تب کوڑے مارے جاتے ہیں۔ لیکن میری مستی تو تیرے جام کی وجہ سے ہے۔ جو قیامت تک زائل نہیں ہو سکتی کیونکہ جو تیرے عشق کے نشے میں فنا ہو گیا پھر کبھی نہیں سنبھلتا۔ لیکن تیری مہربانی ہماری مستی کے اس عذر پر کہتی ہے کہ اگرچہ تُو ہمارے جام کا مست نہیں ہے بلکہ چھاچھ پی کر مستی کا اظہار کر رہا ہے پھر بھی تیرا عذر قبول کر کے تجھے معاف کرتے ہیں۔ تُو ایسی شراب ہے کہ اہلِ دل تجھ سے مستی حاصل کرتے ہیں۔ اب تیری ہستی کا یہ حال ہے کہ جملہ کائنات تیرے تصرف میں ہے۔ دنیا کے مصائب تجھ سے لرزہ براندام ہیں اور دنیا کی ہر قیمتی چیز تیرے لئے بے قیمت ہے۔ میری ایک زبان ہے اور وہ بھی شرمندگی سے شکستہ ہے تو میں کیسے تیری تعریف کا حق ادا کر سکتا ہوں لیکن کچھ نہ کچھ تعریف ضرور کرنی ہے۔ اس لئے میں عدم سے تو گیا گزرا نہیں ہوں۔ اُس سے بھی غیبی آثار ظاہر ہو رہے ہیں جو تجھ سے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ تیری ہی ذات کا تقاضہ ہے کہ میں اُس کے اوصاف بیان کروں۔ تعریف کی طرف رغبت تیرے تقاضے اور جذبے کی وجہ سے ہے۔ غبار ہوا کے سہارے اُڑتا ہے۔ اسی طرح ہمارا ہر کام تیرے جذبے سے ہے۔ آبِ حیات ہر چیز کی زندگی کا سبب ہے لیکن تیرے آبِ رحمت کے مقابلے میں وہ مکدر پانی ہے۔ آبِ حیات کا تلچھٹ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اُس کو وہ پسند کرتے ہیں جو اپنی جان کو بچانا چاہتے ہیں لیکن جو لوگ فنا کو پسند

تا نہ مُردست ایں چراغ باگہر
جب تک یہ زندگی کا چراغ بجھتا نہیں ہے

ہیں فتیلہ اش ساز و روغن زُودتر
بہت جلد اس کے لیے تیل اور بتی مہیا کرلے

کرتے ہیں وہ تیرے آبِ عشق سے ہی زندہ ہیں۔ اُن کے لئے آبِ حیات ہیچ ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانِ دیگر است　(حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ)

"جو لوگ اللہ کے عشق سے شہید ہو جاتے ہیں اُنہیں ہر لحظہ ایک نئی جان عطا کر دی جاتی ہے"۔

چونکہ مجھے موت کے بعد کی زندگی کا یقین ہے لہٰذا میرے لئے موت کی حقیقت نیند سے زیادہ نہیں ہے۔ تیرے دوبارہ زندگی عطا کرنے کا یہ حال ہے کہ اگر ساتوں سمندر خشک ہو کر ریت بن جائیں اور تُو اُن کا کان پکڑ کر کہہ دے گا پانی بن جاؤ تو وہ پانی بن جائیں گے۔ عقل موت سے ڈرتی ہے لیکن عشق اُس کے معاملے میں لاپرواہ ہے۔ کچا ڈھیلا بارش سے ڈرتا ہے، پتھر کبھی نہیں ڈرتا۔

جس طرح ستاروں سے ہر شخص رہنمائی حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح مثنوی سے بھی ہر شخص مستفید نہیں ہو سکتا لیکن اگر مثنوی سے شغل رکھو گے تو شیطان سے ضرور نجات حاصل کر لو گے۔ مثنوی کی باتیں شہابِ ثاقب ستاروں کی طرح ہیں جو شیطانوں پر برستے ہیں۔ ستاروں کے بُرج بچھو کی طرح کام کرتے ہیں اور شیطانوں کو ڈنک مارتے ہیں۔ مثنوی کا سورج طلوع کر آیا ہے جس کی روشنی پھیل گئی ہے لیکن منکر کو یہ بھی ناگوار ہے۔ عداوت کی وجہ سے دشمن شہد اور دودھ کو بھی زہر سمجھتا ہے۔ یہ شہد اور زہر ہونا مثنوی ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ہر اچھی چیز کا یہی حال ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اُن کے فاروقی تریاق کی وجہ سے مخالفین کا زہر قند بن گیا تھا اِس لئے اُن کے لئے وہ زہر مُضر نہ رہا۔ وہی تریاقِ فاروقی اگر تُو حاصل کر لے گا تو تُو بھی اپنے زمانے کا فاروق بن جائے گا۔

دفترِ پنجم ختم شُد